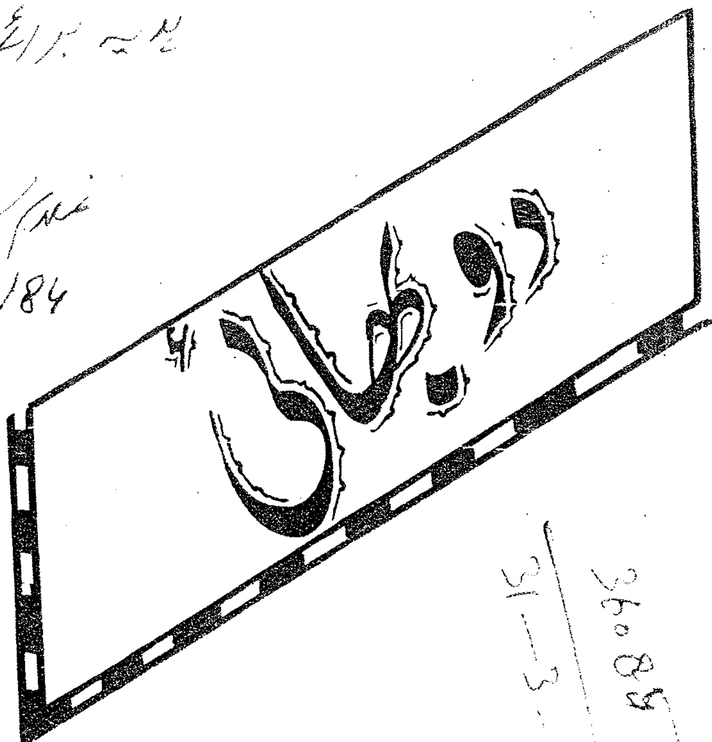


غلام باری سیف

انتساب!

اس کتاب کو اپنے والدین کے نام سے معنون کرتا ہوں — والدہ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں تو والد ربوہ کے مقبرہ بہشتی میں —

زہے نصیب جو مجھے بھی یہ پاک خاک نصیب ہوجائے

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ؕ

غلام باری سیف غفر اللہ لہٗ

فہرست مضامین

(طاہر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پیش لفظ

از حضرت سیدہ اُمِّ متین صاحبہ مدظلہا بنت حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ
(صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ)

بہت مقدس وجود ہوتے ہیں جو ایسی اولاد کو جنم دیں جن کے نام ہمیشہ ان کی نیکیوں اور خدمت کی وجہ سے تاریخ میں زندہ رہیں۔ وہ مقدس وجود حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ اور ان کی اہلیہ صاحبہ تھیں۔ جن کے دونوں بیٹوں حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور حضرت سید محمد اسحٰق صاحبؓ کے حالاتِ زندگی آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔ حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحب ڈاکٹر تھے اور حضرت سید محمد اسحٰق صاحب مبلغ سلسلہ اور مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر۔ حضرت سید محمد اسحٰق صاحب کی زندگی ایک مثالی واقف زندگی کی زندگی تھی۔ نہایت سادہ طبیعت۔ کوئی ریا نہیں، کوئی بڑائی نہیں۔ ہر ہر لمحہ اپنی زندگی کا اسلام

کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے گذرا۔ ایک نڈر مناظر تھے۔ جب وہ دلائل پیش کرتے تھے تو مقابل کو مُنہ کی کھانی پڑتی تھی۔ تعلیم دینے کا طریق اتنا سادہ تھا کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا تھا۔ درسِ حدیث ان کا مشہور تھا۔ ایک ایک لفظ سے عشقِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھلکتا تھا۔ ساری زندگی طلباء۔ یتامیٰ اور غرباء کی خدمت اور تربیت میں گذاری۔ اسلام کی تعلیم کا نمونہ تھے کہ ایک طرف حقوق اللہ کی ادائیگی، دوسری طرف حقوق العباد کی ادائیگی۔

حضرت سیّد محمد اسمٰعیل صاحبؓ بظاہر تو دیکھنے والے کو یہی نظر آتا ہوگا کہ ڈاکٹر بنے اور دُنیا میں پھنس گئے ہوں گے مگر ایسا نہیں تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ہاتھ میں شفا عطا کی تھی۔ آنکھوں کے تو بہت ہی ماہر تھے۔ لیکن کبھی لالچ نہیں کی۔ کسی نے فیس دے دی لے لی، نہ دی نہیں لی۔ جہاں ذرا بھی محسوس ہوتا کہ یہ فیس نہیں دے سکتا، نہ صرف علاج کرنا بلکہ گھر سے کھانا تک اس کے لئے بھجوانا۔ جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ رُوحانی علاج کی کوشش بھی ساری عمر جاری رہی۔

آپ کی نظمیں، آپ کے الفضل میں مضامین میں آپ کی محبتِ الٰہی، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت،

خلافت سے محبت کے چشمے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت ہی قریب سے دیکھا۔ آپ کے گھر میں رہے۔ خدا تعالےٰ کی پیشگوئیاں پُوری ہوتے دیکھیں۔ ایمان بالیقین حاصل ہُوا۔

غرضیکہ دونوں بھائیوں کی زندگی میں جہاں ایک نمایاں پہلو دین کو دُنیا پہ مقدّم رکھنے کا نظر آتا ہے۔ وہاں دوسری طرف ساری زندگی کا خلاصہ خدمت ــ خدمت ــ خدمت کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے۔ بیماروں کی خدمت۔ معذوروں کی خدمت۔ غرباء کی خدمت۔ طلباء کی خدمت۔ تقریر و تحریر سے خدمت۔ اگر ایک بھائی کی تقریریں خون میں جوش پیدا کر دیتی تھیں تو دوسرے کی تحریریں اور نظمیں رُوح کو پگھلا کر رکھ دیتی تھیں۔

یہ دونوں وجود بہشتی مقبرہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں مدفون ہیں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ ان کی اولاد کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نیز اس کتاب کے مؤلف مولانا غلام باری صاحب سیف کو بھی اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں جنہوں نے نئی نسل کے لئے بزرگوں کے حالات جمع کرکے شائع کئے۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرماوے۔

خاکسار

مریم صدیقہ

(صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ)

مقدّمہ

(غلام باری سیف)

دہلی کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کا شجرۂ نسب انتالیسویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اور ننہال کی جانب سے حضرت میر ناصر نواب صاحب کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ سے مل جاتا ہے۔ اس خاندان کے ایک ولی حضرت خواجہ محمد ناصر صاحبؒ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے رؤیا میں فرمایا:-

"نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے مجھے خاص اس لئے تیرے پاس بھیجا ہے کہ مَیں تجھے معرفت، اور ولایت سے مالا مال کروں۔ یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادۂ نبوّت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی اس کی ابتداء تجھ پر ہوئی اور انجام اس کا مہدی موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر ہوگا۔"

(رسالہ مے خوانۂ درد صفحہ ۲۶ مطبوعہ برقی پریس مصنّفہ حاجی سیّد ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی)

اس کا ظہور یوں ہُوا کہ حضرت خواجہ محمد ناصر کے بیٹے حضرت میر ناصر نواب صاحب کے گھر وہ خوش نصیب بچّی پیدا ہوئی جو حضرت مہدیؑ علیہ السّلام کے عقد میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام میں انہیں "اپنی نعمت اپنی خدیجہ" قرار دیا۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا۔

"اُشکر نعمتی رأیت خدیجتی" (تذکرہ صہ ۱۰۹)

کہ میری اس نعمت کا شکر ادا کیجئے کہ مثیلِ خدیجہ آپ کو عطا ہوئی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی کو کہ انہوں نے دو جلدوں میں آپ کی سیرت پر کتاب تصنیف فرمائی۔

راقم الحروف نے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کو اُن کی زندگی میں دیکھا۔ ان کے اکثر مضامین الفضل میں چھپے۔ انہیں پڑھا۔ آپ جماعت کے اوّلین بزرگوں میں سے تھے۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کو دیکھا۔ سفروں میں ہمرکاب رہا۔ جلسوں میں آپ کے ساتھ شرکت نصیب ہوئی۔ آپ کے درس سُنے آپ سے حدیث، فقہ اور منطق پڑھی۔

اب مَیں چونسٹھویں سال میں قدم رکھ رہا ہوں۔ ہندوستان میں گھوم پھر کر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے رفیق مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگردوں سے پڑھا۔ لیکن مَیں نے حضرت میر صاحب جیسا حدیث کا درس نہ دیکھا۔ نہ سُنا۔ حدیث کے بیان کے وقت وہ سراپا گداز ہوتے۔

آپ کے درس میں ایسا سماں بندھ جاتا۔ گویا سامع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس میں بیٹھا ہے۔ آپ کی شفقت، سلسلہ سے فدائیت، طلباء سے محبّت، نظم و ضبط، حق گوئی، جماعت کی تربیت، اصُول پرستی، بے نفسی، قناعت، عبادت اَور عشقِ رسولؐ یاد آتی ہے تو دل بھر آتا ہے۔

ایسے انسان اس صفحۂ ہستی پر کبھی کبھی نمودار ہوتے ہیں۔

ؔ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک مدّت سے آرزو تھی کہ حضرت میر صاحبؒ کے بارہ میں کچھ لکھوں۔ اپنی عقیدت کے چند پھُول اپنے اُستاذ کے قدموں میں رکھوں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ خدائے عزّوجل نے دو بھائی کی کتابی صورت میں تدوین کی توفیق عطا فرمائی۔

ان کے احسانوں کا بدلہ ادا نہیں ہوسکتا۔ قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اِن بزرگوں کی روایت کو زندہ رکھیں اور ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دُعا کریں۔ کہ انہیں اس سے بہتر کیا خراجِ تحسین ادا کیا جا سکتا ہے۔

ؔ بہ آں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلام برسانید ہر کجا ہستند

برائے کردن تنبیہ فسّاق
دوبارہ آمد اسمٰعیل و اسحاق

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ

آج سے قریباً پینتیس سال پہلے طالب علمی کے زمانہ میں کسی نے سوال کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے سب سے بڑے صوفی کون تھے۔ یاد نہیں میں نے کیا جواب دیا تھا لیکن یہ خوب یاد ہے کہ انہوں نے پھر خود ہی فرمایا:-

"حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ"

فضیلت کی بحث بہت مشکل ہوتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ حضرت میر صاحب ایک خدا رسیدہ وَلی تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد کئی بار "عظیم صوفی" کے لقب سے انہیں یاد کیا گیا۔

حَسب و نسب

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نسبتی بھائی ہونے کا فخر حاصل ہُوا۔

آپ اُس بلند پایہ خاتون کے بھائی ہیں جنہیں خدا نے "خدیجہ" قرار دیا۔ خدائے قدوس نے اپنے مسیح کو فرمایا تھا:۔

"اُشْكُرْ نِعْمَتِي رَأَيْتَ خَدِيْجَتِي"

سلسلہ نسب کے لحاظ سے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب حضرت امام حسین علیہ السلام کی چوالیسویں پشت اور خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کی پانچویں پشت سے تھے۔ گویا آپ کا خاندان حسینی سادات تھا۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اپنی عظیم بہن سے سولہ برس چھوٹے تھے۔ حضرت سیّدہ کی ولادت ۱۸۶۵ء کی ہے۔ اُن کی ولادت کے بعد حضرت میر ناصر نواب صاحب کے ہاں پانچ بچے پیدا ہوئے جو سب خدا کی مشیّت نے اپنے پاس بُلا لئے۔ ان کے بعد ۱۸ر جولائی ۱۸۸۱ء بروز دوشنبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لڑکا عطا فرمایا جن کا نام محمد اسمٰعیل رکھا۔ جن کا وجود لوگوں کے لئے بہت نافع النّاس ثابت ہوا۔ جو سماءِ احمدیّت کے درخشندہ ستارے ثابت ہوئے۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کے ہاں تیرہ ۱۳ بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے دس ۱۰ فوت ہوگئے اور تین باقی بچے اور وہ تھے حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت میر

محمد اسحٰق صاحب۔ تینوں کو آپس میں بے مثال تعلّق اور محبت تھی۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے تو اپنی عظیم بہن کا جو آپ سے پچیس سال بڑی تھی، دُودھ بھی پیا تھا۔ (سیرت حضرت امّ المومنین مرتبہ شیخ محمود احمد عرفانی جلد ۲ صفحہ ۲۱)

حضرت میر ناصر نواب صاحب نے "حیاتِ ناصر" کے نام سے اپنی سرگزشت قلمبند کی ہے جس میں آپ نے بیان کیا ہے کہ آپ بارہ تیرہ سال کے تھے کہ والد محترم کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ماموں نے نقشہ نویسی اور محکمہ نہر کا کام سکھایا۔ چنانچہ آپ محکمہ نہر میں اوورسیئر ہو کر کاہنووان، سٹھیالی، تتلہ بسلسلہ ملازمت رہے۔ خاکسار راقم الحروف کا تعلق بھی کاہنووان سے ہے۔ میں نے یہیں آنکھیں کھولیں۔

ایک بار سیّدنا حضرت مصلح موعود نے فرمایا۔

"حضرت امّاں جان کاہنووان میں رہے ہیں۔ میں اس مکان کو دیکھنا چاہتا ہوں"۔

خاکسار نے حضور کے منشاء کا اظہار کاہنووان کے بزرگ صدر جماعت سیّد عبدالعزیز صاحب سے کیا تو انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جا کر وہ مکان دکھایا۔ جہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب مع اہل وعیال رہا کرتے تھے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے ۱۹۰۰ء میں ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان میں فسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ حضرت مسیح موعودؑ اور اہلِ خانہ سبھی کا مشورہ یہی تھا۔ کہ ڈاکٹری میں داخلہ لیا جائے۔

اس وقت حضرت میر ناصر نواب صاحب کی کل آمد تیس ۳۰ روپے ماہوار پنشن تھی اور دو سو بیس ۲۲۰ روپے سالانہ گاؤں سے آمد تھی۔ ڈاکٹری تعلیم کے لئے تیس ۳۰ روپے ماہوار اخراجات کے علاوہ پچاس ۵۰ روپے سالانہ فیس اور سات ۷ صد مختلف اوقات میں کُتب کے لئے درکار تھا۔ حضرت میر صاحب فرماتے ہیں۔ اکتوبر میں داخلہ ہونا تھا۔ والد صاحب محترم کا کہنا تھا کہ اس تعلیم کا خرچ میری مقدرت سے باہر ہے۔ اس لئے جُوں جُوں داخلہ کے ایّام قریب آرہے تھے میرا اضطراب بڑھ رہا تھا کہ ایک دن گھر کی ایک خادمہ نے ایک ملفوف خط میرے ہاتھ میں دیا جس کا مضمون یہ تھا:۔

”تم اپنی ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے تردّد نہ کرو۔ انشاء اللہ جو خرچ مزید درکار ہوگا وہ مَیں پُورا کروں گی اور یہ مت خیال کرو کہ حضرت صاحب سے لے کر دُوں گی۔ بلکہ جو میرا ذاتی خرچ ہے اس سے دیا کروں گی۔ بلکہ انشاء اللہ حضرت صاحب کو بھی اس کی اطلاع نہ ہوگی۔“

خط کے نیچے ”نُصرت جہاں“ کے الفاظ تھے۔ یہ خط حضرت میر صاحب کی آپا کی طرف سے تھا۔ محترم میر صاحب آپ کو ”آپا“ کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

جب داخلہ کا وقت آیا تو محترم میر صاحب کو بوجہ فسٹ ڈویژن کے بارہ ۱۲ روپے ماہوار وظیفہ حکومت کی طرف سے ملا۔ اور آپ کا نام داخلہ کے لئے سرِفہرست تھا۔ محترم میر صاحب فرماتے ہیں۔ میرے اخراجات کے لئے آپا نے ایک صندوقچی مقفّل رکھی ہوئی تھی۔ اُس میں پیسے ڈالتے رہتے اور مہینہ کے بعد والد صاحب کے دس ۱۰ روپے کے ساتھ دس ۱۰ روپے مزید ملا کر مجھے ماہوار بھجواتے رہے۔ اس میں مکان، سَقّہ، خاکروب، نائی، دھوبی اور ملازم لڑکے کے اخراجات پُورے ہوتے تھے۔ حکومت کی طرف سے آپ کو باقاعدہ پانچوں سال وظیفہ ملتا رہا۔ اس طرح آپ کی ڈاکٹری کی تعلیم مکمّل ہوئی۔ شفیق بہن نے اپنے وعدہ کو نبھایا اور اس بات کا علم سوائے میر صاحب اور حضرت سیّدہ کے کسی اور کو نہ تھا۔ یہ واقعہ تحریر فرماتے ہوئے محترم میر صاحب رقمطراز ہیں:۔

”جو روپیہ ان کو ذاتی جیب خرچ کے لئے ملتا تھا اس میں مسلسل اتنے سال اپنے پر تنگی تُرشی گوارا فرما کر انہوں نے

میرے پر اتنا بڑا احسان فرمایا جس کے اظہار کا موقع اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کا ایتاءِ ذی القربیٰ ان کی لمبی اور مسلسل قربانی اور مجھ پر ان کی خاص شفقت اور محبّت کے اخلاقِ فاضلہ کو آئندہ نسلوں کے لئے بطور سبق کے پیش کروں۔ یہ تو صرف ایک خاص واقعہ ہے جس کا علم چونکہ عام لوگوں کو نہیں ہے اس لئے لکھ دیا۔ ورنہ جو ان کے احسانات مجھ پر ہیں ان کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ احسان کہ ان کے تعلق کی وجہ سے خدا تعالےٰ نے ایک ایسے عظیم الشان شخص سے ہمارا پیوند کرا دیا کہ اس کے شکر سے ہماری زبانیں بالکل قاصر ہیں"۔

حضرت سیدہ کی سیرت کا یہ پہلو کتنا بے مثال ہے کہ بڑی بہن نے بھائی کو زبانی نہیں کہا۔ بلکہ لکھ کر بھجوایا تاکہ اُن کی طبیعت پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ آپ اس اَمر کی منتظر نہ رہیں کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب، یا حضرت سیّدہ کی والدہ محترمہ یا ضرورت مند بھائی ان مشکلات یا ضرورت کا ذکر کرے اور کسی خارجی تحریک کے بغیر ہی بھائی کے فکر کو ہلکا کر دیا۔ ترتیبِ واقعات میں یہاں اس واقعہ کا ذکر آ گیا۔ ورنہ دونوں بہن بھائیوں کی بے مثال محبت اور باہم احترام کا

ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔ انشاء اللہ۔

جب آپ میڈیکل کے آخری سال کا امتحان دے چکے نتیجہ کے بارہ میں فکر تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا:۔

"اسسٹنٹ سرجن" (تذکرہ ۲۰، جولائی ۱۹۰۵ء)

چنانچہ آپ تمام پنجاب میں اوّل نمبر پہ پاس ہوئے۔ ملازم ہو کر دہلی متعیّن ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں لاہور میو ہسپتال میں متعیّن ہوئے۔ اس کے علاوہ پانی پت، گوجرہ، چکوال ضلع ڈیرہ غازیخان، سرسہ ضلع حصار، لائل پور، فاضلکا ضلع فیروزپور، گورداسپور اور شملہ وغیرہ میں آپ متعیّن رہے۔

ملازمت کے ایّام میں آپ کے پیشہ کی شہرت کی وجہ سے دُور دراز سے مریض آپ کے پاس پہنچتے۔ آنکھوں کے اپریشن میں آپ کو کمال مہارت حاصل تھی۔ جب آنکھوں کے اپریشن کے ایّام آتے تو جس ہسپتال میں آپ متعیّن ہوتے وہ آئی کیمپ کی صورت اختیار کر جاتا۔ ملازمت کے دوران جو سبق آموز اور دلچسپ واقعات آپ کو پیش آتے رہے اُسے آپ نے آپ بیتی کے نام سے شائع کروا دیا۔ پہلی بار یہ واقعات رسالہ رہنمائے تعلیم ماہِ اپریل و جون ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئے۔ بعد میں انہیں یکجائی طور پر کتابی صورت میں شائع کر دیا۔

پاکیزہ رزق

خدا کے پاک بندے رزقِ حلال کو ہی پسند کرتے ہیں۔ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ
بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

کہ اللہ تیرا حلال رزق مجھے حرام سے کفایت کر دے اور تیرا فضل مجھے سب سے مستغنی کر دے کہ برکت رزقِ حلال میں ہی ہے۔

حضرت میر صاحب آپ بیتی میں ملازمت کے دوران کا ایک واقعہ درج فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص آیا۔ اُس نے اپنی کسی نجی ضرورت کے لئے محترم میر صاحب سے بیماری کا غلط سرٹیفیکیٹ بنوانا چاہا۔ محترم میر صاحب نے غلط سرٹیفیکیٹ دینے سے انکار کیا تو وہ فیس کی پیشکش کو بڑھاتا چلا گیا۔ لیکن آپ یہی فرماتے رہے کہ میں غلط سرٹیفیکیٹ نہیں دے سکتا۔

دوسرا ایک واقعہ بھی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ ایک بار سول سرجن آپ کے ہسپتال کے معائنہ کے لئے آیا۔ اُس کے بیرے نے آکر کچھ

کوئلہ، صابن اور راشن وغیرہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے صاحب کو مجھ سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے وہ مجھ سے زیادہ امیر ہے۔ پھر وہ ان چیزوں کا مجھ سے مطالبہ کیوں کرتا ہے۔ جاؤ بازار سے جا کر یہ چیزیں خرید لو۔ اور اُسے واپس بھیج دیا۔ خود جا کر سول سرجن کو کہا کہ آپ کے آدمی نے ہسپتال میں آکر آپ کو بھی ذلیل کیا اور حکومت کو بھی کہ چند ٹکوں کی چیزیں مانگیں۔ محترم میر صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی میں وہیں بیٹھا ہوا تھا کہ وہ بیرا آیا تو سول سرجن نے اُس کی وہ درگت بنائی کہ مجھے آئندہ کے لئے بھی اس سر دردی سے نجات مل گئی۔ اور جب آپ سول سرجن مقرر ہوئے تو آپ نے رشوت کی صورت اپنے لئے قطعی طور پر بند کر دی اور دیانت کا اعلیٰ معیار مقرر فرمایا۔

میں ممنون ہوں کہ حضرت سیدہ اُمِّ متین صاحبہ نے اس مضمون کی تیاری میں مجھے بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ آپ نے بتلایا کہ ابا جان محترم فرمایا کرتے تھے۔ مجھے فیس لینے میں سخت حجاب تھا۔ [illegible]

محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری فرماتے ہیں۔ جن دنوں آپ لائل پور میں متعین تھے آپ نے مجھے فرمایا۔

"قاضی صاحب! اگر کسی غریب احمدی یا غیر احمدی مریض کو علاج کی ضرورت ہو تو آپ مجھے بتلا دیا کریں۔ میں اس کے گھر جا کر بلا فیس اس کا علاج کیا کروں گا۔"

(الفضل ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء)

مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اَولیٰ

جن دنوں آپ گورداسپور میں متعین تھے۔ ملک مولا بخش صاحب بھی وہیں ملازم تھے۔ جب میر صاحب کا وہاں سے تبادلہ ہوا تو انہوں نے میر صاحب سے عرض کیا۔ میر صاحب! آپ کوشش کریں کہ یہیں رہ جائیں۔ فرمایا میں کیوں کوشش کروں۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ ملک صاحب نے عرض کیا قادیان کے قریب رہیں گے۔ ہر ہفتہ کے روز سائیکل پر قادیان جایا کریں گے۔ میر صاحب نے فرمایا۔

"مجھے کیا معلوم ہے کہ قادیان کے قریب رہنا یا اس طرح قادیان جانا میرے دین و دنیا کے لئے مفید ہوگا۔ میں تو وہاں ہی رہنا چاہتا ہوں جہاں میرا خدا مجھے رکھے۔ وہ

مجھ سے بہتر جانتا ہے کہ میرا کہاں رہنا مفید ہے۔"

(الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۴۷ء)

توحید کے لئے غیرت

آپ بیتی میں فرماتے ہیں۔ ۱۹۰۷ء کا واقعہ ہے آپ کی پھوپھی زاد آپ کو ملنے آئیں۔ اُن کی چھوٹی بچّی فوت ہو گئی تھی۔ وہ اس صدمہ کو بھلانے کے لئے آئیں۔ باتوں باتوں میں انہوں نے ایک سے زائد بار کہا۔ اگر ڈاکٹر صاحب میرے پاس ہوتے تو میری بچّی نہ مرتی۔ جب انہوں نے یہ کلمہ بار بار دہرایا۔ تو مجھے خدا تعالےٰ کے متعلّق بڑی غیرت آئی اور میں نے کہا۔ اب ان کے ہاں لڑکا ہوگا اور وہ میرے زیرِ علاج رہ کر میرے ہی ہاتھوں میں مرے گا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ چھ سال بعد ۱۹۱۳ء میں وہ پھر میر صاحب محترم کو ملنے آئیں اُس وقت اُن کی گود میں لڑکا تھا۔ اثناءِ سفر بچّے کے لئے تھرماس میں گرم دُودھ رکھ کر بچّے کو پلاتی آئیں۔ یہ دُودھ پھٹ گیا تھا۔ دوسرے دن سے لڑکے کو سبز رنگ کے دست آنے لگے۔ دس پندرہ دن تک بچّے کا ہر ممکن علاج کیا۔ دوسرے ڈاکٹروں کو بھی دکھایا۔ لیکن بچّے کو اچھا نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ اور دو ہفتہ بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔

الصُفّہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں مسجد نبویؐ میں کچھ ایسے نوجوان رہتے تھے جو دن کے وقت جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر گزر اوقات کرتے اور رات کو دینی تعلیم حاصل کرتے۔ یہ درویش اصحاب الصفّہ کہلاتے تھے۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے ریتی چھلّہ کے قریب دار العلوم میں اپنا مکان بنوایا۔ اس کا نام آپ نے "الصفہ" رکھا۔ مسیح پاک علیہ السلام کے صوفی درویش صحابی نے ریٹائر ہونے کے بعد اس میں قیام کیا۔ آپ کے قادیان آنے سے قبل اس مکان میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت میر محمد اسحاق صاحب رہتے تھے۔ آپ کا اندرون شہر ایک اور مکان تھا جس کا نام " کُنج عافیت " آپ نے رکھا تھا وہ آپ نے سلسلہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ پہلے الفضل کا دفتر اس میں تھا۔ ہجرت کے بعد اس میں ہسپتال بنایا گیا۔

سیّدہ حضرت امّ متین فرماتی ہیں: آپ کو اشارہ ہوا کہ عزیز ترین چیز راہِ خدا میں وقف کر دو۔ اس پر پہلے آپ نے کچھ مال راہِ خدا میں دیا۔ پھر ایک بکرا قربانی دیا اور اُس کے بعد یہ مکان وقف کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے عشق

حضرت میر صاحب کے جسم کا ہر ذرّہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے معطّر تھا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فداہ ابی و امّی کے عشق میں گداز تھے کہ یہی متاعِ ایمان اور مدار نجات ہے۔ جب تک دل کی گہرائیوں میں عشقِ رسولؐ سرایت نہ کر چکا ہو۔ زبان میں وہ چاشنی پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت میر صاحب نے نثر اور نظم دونوں میں اپنے آقائے مدنی کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ آپ کی مندرجہ ذیل نظم عشقِ رسولؐ میں ایسی ڈوبی ہوئی ہے کہ جب اس کا مرکزی مصرعہ کان میں پڑتا ہے زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتا ہے۔

عَلَیْكَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ السَّلَام

اس نظم کو جو پذیرائی عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہوئی ہے اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ یہ نظم خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی ہے اور صرف اس نظم کی بناء پر برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کو شفاعت نصیب ہو گی انشاء اللہ۔ آپ کے قلب و نظر کی لذّت کے لئے پوری نظم پیش کرتا ہوں۔

اپنے محبوب آقا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

بدرگاہِ ذی شان خیر الانام — شفیعُ الوریٰ مرجعِ خاص و عام
بصد عجز و منّت بصد احترام — یہ کرتا ہے عرض آپ کا اِک غلام
کہ اے شاہِ کونین عالی مقام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں — جو دیکھا وہ حُسن اور وہ نورِ جبیں
پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں — کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خُلقِ کامل زہے حُسنِ تام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی — بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دُنیا پہ وہ چھا رہی — کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہُوا آپ کے دَم سے اس کا قیام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

محبّت سے گھائل کیا آپؐ نے — دلائل سے قائل کیا آپؐ نے
جہالت کو زائل کیا آپؐ نے — شریعت کو کامل کیا آپؐ نے
بیاں کر دیے سب حلال و حرام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

نبوّت کے تھے جس قدر بھی کمال — وہ سب آپ میں جمع ہیں لامحال

صفاتِ جمال اور صفاتِ جلال — ہر اک رنگ ہے بس عدیم المثال
لیا ظُلم کا عفو سے انتقام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

مقدّس حیات اور مطہّر مذاق — اطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
سوارِ جہانگیر یکراں بُراق — کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق
محمّدؐ ہی نام اور محمّدؐ ہی کام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

علمدارِ عُشّاق ذاتِ یگاں — سپہدارِ افواجِ قُدوسیاں
معارف کا اِک قلزمِ بیکراں — افاضات ہیں زندۂ جاوداں
پلا ساقیا آپ کوثر کا جام
عَلَیْکَ الصَّلوٰۃُ عَلَیْکَ السَّلام

(از سجار دل)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی سیرت اور محامد کے بارہ میں آپ کے مضامین الفضل کے خاتم النبیّین نمبر میں شائع ہوتے۔ آپ کا یہ نظریہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فداہ ابی و امّی کی شان میں کچھ کہنا یا لکھنا کسی پر احسان نہیں بلکہ باعثِ سعادت ہے۔ ایک مضمون میں آپ نے فرمایا: -

"میں ایک طرف تو آجکل بستر علالت پر پڑا ہوں۔ اور دوسری طرف ایڈیٹر صاحب الفضل کی تاکید پر تاکید ہے کہ کوئی مضمون دو جو خاتم النبیین نمبر میں درج کیا جائے۔ اگرچہ ان کے اس فرمائش کی تعمیل ان پر احسان نہیں بلکہ خود لکھنے والے کے لئے عین سعادت ہے"

اس کے بعد مضمون کی مناسبت سے حضرت مسیح موعودؑ کے یہ دو شعر لکھے ہیں:-

او چہ [illegible] کسی شیباند

[illegible] او خود فخر ہر [illegible] گرے

[illegible] قدس و جلال

واز خیال ما و حال بالاتر ہے

(الفضل خاتم النبیین نمبر ۲۴ نومبر ۱۹۳۵ء)

ترجمہ: کہ سرکار دو عالم فداہ ابی و امی کو کسی کی تعریف کی ضرورت نہیں۔ ان کی تعریف کرنا تو خود تعریف کرنے والے کے لئے باعث عزت ہے۔ وہ تو حضرت قدس و جلال کے تاج [illegible] ہیں۔ [illegible] تعریف کرنے والے کے تخیل سے [illegible]

[illegible] ایک مضمون [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] اور تخیل کتنا بلند [illegible]

عشق محبت کا رس ٹپک رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"خاتم النبیینؐ"

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دنیا میں ہزاروں حسین گذرے۔ اور ہزاروں موجود ہیں۔ لاکھوں اہل علم گذرے اور لاکھوں موجود ہیں۔ ہر طرح کی خوبیاں رکھنے والے بہت سے گذر چکے ہیں اور بہت سے موجود ہیں۔ دیندار اور خدا سے تعلق رکھنے والے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ بادشاہ، فاتح، موجد، فلاسفر غرض ہر بات میں کمال رکھنے والے نہ کبھی مفقود ہوئے نہ ہوں گے۔ مگر مجھے تو کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو تمام کے تمام کمالاتِ انسانی اپنے اندر رکھتے ہوں۔ کوئی ایسا حسن نہ ہو جو اس میں بدرجہ کمال موجود نہ ہو۔ پھر وہ ان تمام خوبیوں سے دوسروں کو بھی آراستہ کر سکتا ہو۔ کنجوس حسین کے نام سے مجھے نفرت ہے اور بدشکل محسن سے بھی کوسوں بھاگتا ہوں۔ متکبر نہ ہو۔ مجھے دیکھے تو مسکرائے بلکہ خود بلائے۔ اس کی صحبت سے میرا دل گرم اور سینہ منوّر ہو۔ اور اس کے نام کی لذّت سے میری

زبان تمام اور لذّات کو بھول جائے۔ اور اس کی یاد سے میرا تاریک کنج دماغ روضۃ من ریاض الجنّۃ بن جائے۔

ماضی اور حال دونوں زمانوں کو میرے علم اور نظر اور تخیّل نے کھنگھول ڈالا جسے دیکھتا ہوں اس میں کہیں نہ کہیں کوئی نقص پاتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی کمی نظر آتی ہے۔ میں پہلے ہی اپنے دوستوں میں عیب چین مشہور ہوں۔ جب نظر پڑتی ہے تو پہلے نقص پر ہی۔ اسی لئے جہاں اور لوگ ٹھہر گئے۔ میں وہاں سے منہ بناتا ہوا آگے روانہ ہوا۔ یا اللہ تمام دنیا میں کوئی ایسا حسین بھی ہوتا ہے۔ جو بے عیب ہو جس پر تمام انسانی کمالات ختم ہوں۔ ہوگا تو سہی اور ضرور ہوگا۔ بادشاہ دیکھے مگر عیاش اور حریص۔ فلاسفر اور حکماء دیکھے مگر نکمّے۔ حسین دیکھے مگر بے ہودہ۔ بہادر دیکھے مگر ظالم۔ اور خود پرست شاعر دیکھے مگر یاوہ گو اور بزدل۔ اہلِ قلم دیکھے مگر بے عمل اور متخیّل۔ ریفارمر دیکھے مگر خشک۔ اہلِ صدق دیکھے مگر خود ناقص، غرض باز۔ عالم میں ہر سو پھر کر سب کو دیکھا۔ ناامیدی سی ہوگئی۔ گوہر مراد نہ پایا۔ اتنے میں کسی نے کہا ذرا زمرۂ انبیاء پر بھی تو نظر کرو۔ دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ

پر نہ جاؤ۔ جب ان کو دیکھا تو وہ ناامیدی دور ہوئی۔ عجیب لوگ نظر آئے۔ جن کا کام حسن، کلام حسن، شکل اچھی۔ اخلاق اچھے۔ عادات پسندیدہ۔ کوئی کونہ تاریک نہ تھا۔ دل کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ ان سب کا جائزہ لیا۔ آخر گوہر مراد مل گیا۔ یعنی جس کی جستجو اور تلاش تھی وہ نکل آیا اور نکلا بھی کہاں سے عرب کے جھلستے ریگستان اور بے آب و گیاہ کوہستان کی کان سے۔ جہاں نہ علم، نہ عقل۔ نہ ہدایت۔ نہ تہذیب و تمدّن۔ نہ حکومت نہ سلطنت۔ اور ملا بھی وہ جسے انسانِ کامل کہوں۔ آنکھیں اُس کے حسن کو دیکھ کر خیرہ ہوگئیں۔ اور حریص فطرت اس کے احسانات کوے کو کمر شکستہ۔ نام پوچھا تو محمدؐ۔ سبحان اللہ۔ میں بھی تو محمدؐ ہی کی تلاش میں تھا۔ یعنی جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ سراسر خوبیاں ہی ہوں۔ ہر تعریف کے لائق صفت موجود ہو۔ ہر حسن نمایاں ہو۔ کمالاتِ انسانی کا خاتم۔ نہ ایسا کوئی ہوا نہ ہو۔ صدقے اس نام کے نام بھی کسی نے چن کر رکھا۔ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(الفضل ۱۲ر جون ۱۹۲۸ء)

حضرت مسیح موعودؑ سے محبّت

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کو حضرت مسیح موعودؑ سے عشق کی حد تک محبّت تھی۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کو بھی آپ سے بہت تعلّق تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تو آپ کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے "منظورِ نظر" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں جب صدر انجمن احمدیّہ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو بھی اس کا ممبر مقرر فرمایا۔ ۱۹۲۴ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ انگلستان کے سفر پر تشریف لے گئے۔ تو حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کو آپ نے ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:۔

"اُن کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کی محبّت بلکہ عشق خاص طور پر پایا جاتا ہے۔ اس محبت کی وجہ سے روحانیت کا ایک خاص رنگ ان میں پیدا ہوگیا ہے۔ اس لئے مَیں سمجھتا ہوں ایسی ٹھوکرسے جو دوسروں کو لگ جاتی ہے یا لگ سکتی ہے۔ خدا نے ان کو محفوظ کیا ہے۔ اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اس تعلّق کی وجہ سے جو برکات اُن پر نازل ہوتی ہیں ان کے باعث جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔"

حضرت مسیح موعودؑ سے محبت و احترام کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ سیّدہ حضرت اُمّ متین صاحبہ مدّظلہا العالی فرماتی ہیں کہ:۔

"بچپن میں ابّا جان کی نسبت آپ کی بھتیجی زاد سے کر دی گئی۔ جیسا کہ پرانے وقتوں میں رواج تھا۔ جب ابّا جان کی تعلیم مکمّل ہوئی تو آپ کو اب شادی کے لئے کہا گیا۔ لیکن ابّا جان مانتے نہ تھے۔ اور عذر صرف یہی تھا کہ دینی طور پر ان کی تربیت اُس ماحول میں نہیں ہوئی۔ حضرت سیّدہ نے ابّا جان کو بہت کہا لیکن آپ نہ مانتے تھے۔ اس لئے بھی کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کا رشتہ پہلے ہوگیا تھا۔ آخر حضرت مسیح موعودؑ سے اس امر کا تذکرہ ہُوا کہ ہم گھر والوں کی یہ خواہش ہے۔ لیکن میر صاحب نہیں مانتے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ لاؤ مجھے کاغذ قلم دو۔ اور آپ نے میر صاحب کے نام کچھ لکھا۔ اور میر صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب دیر تک ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو حضرت مرزا محمد شفیع صاحب محاسب صدر انجمن احمدیّہ کی صاحبزادی سے دوسری شادی ہوئی۔ جس سے خدا تعالےٰ نے کثیر اولاد عطا فرمائی۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دُعاؤں کا اثر تھا کہ آپ کی پہلی اہلیہ نے بیعت کی اور سلسلہ کی ہر قربانی میں حصّہ لیا اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب

کے اکثر بچوں کی پرورش اور تربیت آپ نے ہی کی۔

حضرت مصلح موعودؓ کا آپ پر اعتماد

اُوپر گزر چکا ہے کہ سنہ ۱۹۲۴ء میں جب حضرت مصلح موعودؓ لنڈن تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت میر صاحب کو ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ جماعتی معاملات کے لئے۔ جب حضرت مصلح موعودؓ کوئی کمیشن مقرر فرماتے تو اُس کا یا تو میر صاحب ممبر ہوتے یا صدر۔ راقم الحروف کو بھی یاد ہے کہ سنہ ۱۹۳۴ء یا سنہ ۱۹۳۵ء کے قریب حضور نے مدرسہ احمدیہ کے لئے ایک کمیشن مقرر فرمایا۔ کمیشن نے کلاسوں میں جا کر طلباء سے سوالات بھی کئے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت میر صاحب نے ایک طالب علم سے نمازِ جنازہ کی دُعا سُنانے کے لئے فرمایا تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ سے پیار کا انداز

حضرت مصلح موعود جماعت کے امام بھی تھے لیکن آپ کے بھانجے اور داماد بھی۔ آپ کے ان اشعار سے اُس محبت و احترام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو میر صاحب کو حضرت مصلح موعود سے تھا۔ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں :۔ ؎

دیکھ وہ مینار لے راہرو ؎ رہنمائے آستانِ قادیاں
مسجد اقصیٰ میں پہنچاوے گا ؎ تا دکھائے بوستانِ قادیاں
درس قرآں ہو رہا ہوگا وہاں ؎ جمع ہوں گے مخلصانِ قادیاں
اک جواں کو پائیگا ان میں کھڑا ؎ ہے وُہی رُوحِ روانِ قادیاں
یادگارِ صاحبِ کسرِ صلیب ؎ نُورِ چشمِ دوستانِ قادیاں

حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ فرماتی ہیں :۔

"سنہ ۱۹۴۶ء میں حضرت مصلح موعودؓ کو گلے کی تکلیف ہو گئی اور اس کے ساتھ بخار آنے لگا۔ اور حضور کو یہ وہم ہو گیا کہ آپ کو سِل ہو گئی ہے۔ چنانچہ آپ ہر وقت تھرما میٹر لگا کر ٹمپریچر دیکھتے رہتے۔ ابّا جان روزانہ دیکھنے آیا کرتے تھے۔ کئی دفعہ آپ نے تھرما میٹر توڑ بھی دیا کہ نہیں لگائیں گے۔ ابّا جان چلے جاتے تو حضور پھر تھرما میٹر منگوا لیتے۔ باوجود اس کے کہ خلیفۃ المسیح آپ کے بھانجے بھی تھے اور داماد بھی۔ تاہم ابّا جان آپ کا غیر معمولی احترام کرتے تھے۔"

سنہ ۱۹۴۴ء میں حضرت مصلح موعود بیمار ہو گئے۔ بیماری لمبی ہو گئی، حضور طبّی مشورہ کے تحت چند ماہ ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ اس جدائی پر قادیان والوں کی ترجمانی کرتے ہوئے میر صاحب فرماتے ہیں :۔ ؎

بوئے سوزِ عاشقاں آید ہمے ÷ دردِ آہِ قادیاں آید ہمے
خاکِ پائے شہریارِ دلبراں ÷ دردو چشم سرمہ ساں آید ہمے
قادیاں جسم است و محمودش رواں ÷ باز کے در تن رواں آید ہمے
شد تہی از مے خُمِ بادہ کشاں ÷ تا بہ کے پیرِ مغاں آید ہمے
یار در کہسار و یاراں در وطن ÷ عیدِ رمضاں رائیگاں آید ہمے
عیدِ یاراں کے شود در قادیان ÷ تا نہ ماہِ قادیاں آید ہمے

(بخارِ دل صفحہ ۱۲۴)

کہ عاشقوں کی جلن کی خوشبو آرہی ہے۔ قادیان کی آہ کا دھواں نکل رہا ہے۔ محبوبوں کے آقا کے پاؤں کی مٹی دونوں آنکھوں میں سُرمہ کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ قادیان جسم ہے اور محمود اس جسم کی رُوح ہے۔ پھر جسم میں رُوح کب آئے گی؟ مے خواروں کا خُم مے سے خالی ہوگیا۔ پیرِ مغاں کب آئے گا محبوب کہسار میں ہے اور دوست وطن میں ہیں۔ رمضان کی عید رائیگاں ہی جارہی ہے۔ قادیان میں دوستوں کی عید کیسے ہو سکتی ہے جب تک کہ قادیان کا چاند نہ آئے۔

پھر خود ہی حضور کی طرف سے جواب دیا ہے

مژدہ باد اے ساکنانِ ارضِ حرم ÷ بر زمینِ آسماں آید ہمے

غم مخور۔ اے تشنۂ آبِ حیات ÷ خضرِ راہ سالکاں آید ہمے
خاک بر سر کن غمِ ایّام را ÷ کز سفر آں جانِ جاں آید ہمے
جام در دست و صراحی در بغل ÷ ساقی بادہ کشاں آید ہمے

کہ اے ارضِ حرم کے باسیو! تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارے ہاں زمین پر آسمان آرہا ہے۔ اے آبِ حیات کے پیاسے مت غم کھا کہ سالکوں کا خضرِ راہ آرہا ہے۔ زمانہ کے غم کے سر پر مٹی ڈالو کہ جانِ جاں سفر سے واپس آرہا ہے۔ مے خواروں کا ساقی ہاتھ میں جام اور بغل میں صراحی لئے آرہا ہے۔

ان اشعار کا ہر لفظ عشق و محبت میں گُندھا ہُوا ہے۔ الفاظ اس کیفِ عشق کو بیان نہیں کر سکتے جس کا اظہار محترم میر صاحب نے کیا ہے۔

قادیان سے پیار

انسانی فطرت ہے کہ مکینوں سے پیار ہو تو مکانوں سے بھی پیار ہو گا۔ قادیان سے پیار صحابہ حضرت مسیح موعودؑ کی رُوح کی غذا تھی۔ کہ یہاں اُس مقدس ہستی نے آنکھیں کھولیں۔ جس نے انہیں

پھر نئے سرے سے ایمان باللہ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم عطا فرمایا۔ جس کے ذریعہ پھر انہیں خدا کا قربِ نصیب ہُوا۔ محترم میر صاحب کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادیان کے ہر ذرّہ سے محبّت کرتے تھے۔ اس کی ہر گلی اور اینٹ اینٹ سے پیار کرتے تھے۔ کہ بقول کسے ؎

ہر راہ کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شاید کہ وہ گذرے ہوں اسی راہ گذر سے

اپنی نظم در فراق قادیان میں فرماتے ہیں:۔ ؎

آہ وہ دارالاماں قادیاں ؛ قادیاں جنّت نشان قادیان
کھُب گئی دل میں ہر اک اُسکی ادا ؛ بس گئی آنکھوں میں شانِ قادیاں
توتیائے چشم ہے میرے لئے ؛ خاک پائے ساکنانِ قادیاں
کر رہے ہیں جان و دل کو بیقرار ؛ نغمہ ہائے بلبلانِ قادیاں

حضرت میر صاحب کی تحریر کی خوبی

حضرت میر صاحب کی تربیت میں حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت کا بڑا دخل تھا۔ میر صاحب کی تربیت اور اُٹھان اُس گھر میں ہوئی تھی۔ جس پر خدا کے فرشتوں نے نُور کی مشکیں انڈھیلی تھیں۔ انہوں نے

حضرت مسیح موعودؑ کو بڑی گہری نظر سے دیکھا تھا۔ اس کے لئے وہ مضمون مطالعہ کیجئے جو آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے شمائل کے بارہ میں لکھا۔ اس مضمون کے مطالعہ سے حضرت میر صاحب کی تحریر کی خُوبی بھی سامنے آتی ہے کہ کس طرح مختصر الفاظ کے نیچے معانی کا بحرِ بیکراں موجیں مار رہا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا حُلیہ کس طرح آپ نے دو فقروں میں بیان کر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تمام حُلیہ کا خلاصہ ایک فقرہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ
"آپ مردانہ حُسن کے اعلیٰ نمونہ تھے۔"

مگر یہ فقرہ نامکمّل رہے گا اگر اس کے ساتھ دوسرا یہ نہ ہو کہ:۔

"یہ حُسنِ انسانی ایک رُوحانی چمک دمک اور انوار اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا۔" (حیاتِ طیّبہ صـ۱۷۹)

آپ کے اشعار میں بھی بہت گہرائی تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔ میرے اشعار کے الفاظ کی طرف نہ جائیے۔ معانی دیکھیے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلّق اور حضرت مسیح موعودؑ سے آپ کے محبت اور عشق کا اندازہ اُس خط سے بھی کیا جا سکتا ہے جو آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے وصال پر اپنی عظیم ہمشیرہ حضرت سیّدہ کو لکھا حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے وقت آپ ڈیرہ غازیخاں میں تھے۔ یہ دن دریائے سندھ

ہیں طغیانی کے ہوتے ہیں اس لئے آپ اس موقع پر قادیان نہ پہنچ سکے۔ اپنی قابلِ صد احترام آپا کو لکھتے ہیں۔ خط کے کچھ شہ پارے پیشِ خدمت ہیں :۔

"مکرمہ مخدومہ جناب ہمشیرہ صاحبہ سلامت باشد!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت اقدس کے وصال کی خبر وحشت اثر معلوم ہوکر جو صدمہ ہؤا اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ پر ساتھ ہی میرا تو یہ حال ہے کہ مَیں لکھتا جاتا ہوں اور اعتبار نہیں آتا کہ یہ واقعہ سچ ہے۔ دل کو یقین ہی نہیں آتا۔ یا یہ کہو کہ دل یقین کرنا نہیں چاہتا۔ مگر جو امر ہونا تھا اور خدا تعالےٰ کے ہاں سے مقدر تھا۔ وہ ہؤا۔ اس میں کسی انسان اور فرشتے کا دخل نہیں۔ آج تک نہ کوئی انسان موت سے بچا نہ بچے گا.....

موت کا وارد ہونا اس شخص کے لئے تو موجب فکر وتشویش ہو سکتا ہے جسے اگلے جہان میں اپنے اعمال کا فکر ہو۔ مگر جو شخص معصوم خدا کی درگاہ میں واپس جاتا ہے۔ نہیں بلکہ اس کا عزیز مہمان اور پیارا دوست بن کر جاتا ہے۔ تو اُس کے انتقال پہ ہم کو رشک کرنا چاہیئے۔ اور دُعا کرنی چاہیئے

کہ جس طرح یہ مرنے والا تیرا مقرّب اور پسندیدہ درگاہ تھا۔ اِسی طرح تُو ہم کو بھی توفیق دے کہ تیرے فضل سے ہم بھی جب مریں تو نیک اور پیارے بندے ہو کر مریں ....

دوسری بات جو ہم کو اس واقعہ پر پیش آئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارا صبر اور ہماری استقامت اس ابتلاء کے موقعہ پر آزمانا چاہتا ہے۔ ایک ہمارا سب سے پیارا اس جہان سے رحلت فرما ہؤا۔ اگر ایسی حالت اور ناگہانی صدمہ کے وقت انسان شدتِ غم میں خدا تعالیٰ کی حدود سے باہر نہ جاوے اور جو کچھ سر پر گزرا اس کو خدا کی طرف سے سمجھ کر اُسی سے صبر بھی مانگے اور ہر حالت میں جیسا کہ ہم نے بیعت کے وقت مُنہ سے اقرار لیا تھا اپنے عملوں سے بھی کر دکھاوے کہ خدا کی رضا پر ہر طرح راضی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے دل کو صبر و قرار اور تسکین سے بھر دیتا ہے۔ اور اس کے ایمان میں ترقی دیتا ہے ....

عورت کے لئے خاوند کا مَرنا سب سے بڑھ کر صدمہ اور غم ہے۔ مگر ہمیشہ کے لئے نہیں۔ اگر کوئی مَرجاتا اور کوئی ہمیشہ کے لئے زندہ رہ جاتا تو واقعی یہ صدمہ سخت تھا۔ مگر جب سب

ایک راہ پر چل رہے ہیں اور آگے پیچھے سب کو مرنا ہے
تو اگر یہی سمجھ لیا جائے کہ مرنے والا سفر پر گیا ہے یا چند
دن کے لئے غائب ہے اور پھر ہم اس کو ضرور ملیں گے۔ اور
یہ ملاقات ایسی ہوگی کہ پھر اس میں جدائی نہ ہوگی تو کیا یہ
خوش آئند خیال نہیں ہے۔ ہاں اور لوگوں کو تو ڈر ہو سکتا
ہے کہ بیوی شاید وہاں اپنے میاں سے یا میاں اپنی بیوی سے
وہاں نہ مل سکے .... مگر یہاں تو یہ بات نہیں ہے۔
ایمان لانے والی بی بی جو خدا کی بشارت اور خوشخبری سے دنیا میں
اس کے ساتھ رہی ہو وہ اگلے جہان میں بھی اپنے میاں کے
ساتھ ہوگی اور ضرور ہوگی۔

جماعتِ احمدیہ کے لئے یہ ایک سخت ابتلاء ہے۔ پہلے وہ
ایک بے فکر کی طرح تھے اور نام کے مددگار تھے۔ اب ان کو
معلوم ہوگا کہ کتنا بڑا کام وہ شخص اکیلا کرتا رہا۔

میرا ایمان ہے کہ اگر یہ فرقہ سچ ہے اور یقیناً سچ پر
ہے تو خدا اس کو ہر طرح کی ہلاکت سے بچائے گا۔ اور ہر دشمن
کی دشمنی سے محفوظ رکھے گی اور اسے دنیا کے اطراف میں
پھیلا دے گا.......

ان کی ذات تو ایسی تھی کہ ان کا مرنا جینا سب خدا کی
مرضی اور اس کی فرمانبرداری میں تھا۔ مگر ہم کو بھی جو پسماندگان
رہ گئے ہیں۔ ایسا ہی نمونہ دکھانا چاہیئے جس میں خدا تعالیٰ کی
مرضی پر سر رکھ دینے اور راضی بقضاء ہونے کا خود ہمارے
دل گواہی دیں...... دریا کی طغیانی کے سبب راستے بہت
مشکل اور قریباً مسدود ہیں۔ آپ کی بھاوج بھی آنے کو تیار بیٹھی
ہیں۔ عرضی رخصت کی گئی ہوئی ہے۔ اگر منظور ہوئی تو حاضر خدمت
ہوں گا۔ ایک وہی ذات سب کا آسرا ہے۔ اس سے ہر وقت
دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہر مصیبت پر ثابت قدم رکھے۔ اور
اعلیٰ درجہ کا نیک نمونہ آئندہ نسلوں کے لئے بنائے اور ہماری
زندگی اور موت اس ایمان پر ہو اور جس کی جدائی میں آج ہر
دل کو تپش سی لگی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ اور اس کے قدموں
میں ہمارا حشر ہو۔ اور ہمیشہ اس کے اصحاب اور متعلقین میں
داخل رہیں۔ خدا کے ہزار ہزار درود اور سلام تجھ پر ہوں
اے غلام احمد کی روح اور بڑی بڑی برکتیں اور مراتب اور
درجات اللہ تعالیٰ تجھے دیوے۔ بدلے اس رحمت اور شفقت
کے جو تو نے امّتِ محمدی سے کی اور جو تعلیم تو نے ہم کو دی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ
بَارِكْ وَ سَلِّمْ ۔ "

(محمد اسمٰعیل)

خط کے ایک ایک لفظ سے اللہ تعالیٰ پر یقین ۔ احمدیت پر ایمان ۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا یقین اور رضاء بالقضاء ہویدا ہے ۔

وصال حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اشعار میں یوں جذبات کی ترجمانی فرمائی :- ؎

افسوس ! میرا آفتاب وہ مہدی والا خطاب
روشن کیا جس نے باصد ہزاروں آب و تاب
ہم عشق میں سمجھا کئے یا پڑ گئے دل پر حجاب
زندہ رہے گا تا ابد چمکے گا تا یوم الحساب

دھوکا رہا آخر تلک
حتّٰی توارت بالحجاب

اس نظم کا عنوان تھا ۔ " حتّٰی توارت بالحجاب " ۔

ایک دوسری نظم میں آپ فرماتے ہیں :- ؎

جان فدا کر دوں مزارِ یار پر ⁂ گوہر شب تاب کانِ قادیاں
یعنی وہ جو چودھویں کے چاند تھے ⁂ مہدیٔ آخر زمانِ قادیاں

حضرت سیّدہ سے محبّت اور ان کا احترام

حضرت سیّدہ سے حضرت میر صاحب کو بہت تعلق اور محبّت تھا ۔ اُن کا احترام بڑی بہن کی وجہ سے بھی تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ مامورِ زمانہ کے عقد میں آئیں اور اُمّ المومنین کہلائیں ۔ حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ نے احقر کو بتلایا کہ حضرت سیّدہ سے ابّا جان کو عشق کی حد تک پیار تھا ۔ حضرت سیّدہ کسی چیز کی تعریف کرتے ابّا جان فوراً وہ چیز آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ۔ اُمّ المومنین کہتی رہتیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ۔ لیکن ابّا جان نہ مانتے ۔ فرماتے مجھے ضرور دینی ہے تو پھر خرید کر دے دینا ۔ لیکن ابّا جان اُسی وقت اسے پیک (PACK) کروا دیتے ۔

سیّدہ موصوفہ فرماتی ہیں ۔ میرے رشتہ کے لئے گھر تشریف لائیں ۔ ابّا جان سے کہا میں تمہاری لڑکی مانگنے آئی ہوں ۔ ابّا جان نے فرمایا میں آپ کی بات واپس نہیں کر سکتا ۔ لے جائیں ۔ سیّدہ موصوفہ نے مزید کہا ۔ بے شک یہ خدا کی تقدیر تھی کہ میں حضرت مصلح موعودؓ کے عقد میں آئی لیکن اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابّا جان حضرت سیّدہ کی بات ٹال نہ سکتے تھے ۔ سیّدہ موصوفہ نے بتلایا کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب

انچویں تک گھر میں پڑھا۔ آج تک آپ کے پڑھانے کا دلنشین انداز یاد ہے۔ مجھے پڑھانے کے بعد فرماتے۔ اب اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھاؤ۔ یں سب سے بڑی تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔ بڑے بچے کی تربیت پر زور دو اس کا اثر چھوٹوں پر بھی پڑے گا۔ اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ نے فرمایا۔ زمانے کا بڑا فرق ہے۔ اس زمانہ میں بچّے اتنے بے تکلّف نہ ہوتے تھے۔ احترام کے ساتھ ساتھ ایک ڈر بھی تھا۔ ابّا جان کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ گھر میں بہت سادہ لباس زیب تن فرماتے۔ زبان اور تلفظ کا اتنا خیال تھا کہ ایک بار میں نے لفظ غَلَط کو غلط کہہ دیا۔ ابّا جان ناشتہ فرما رہے تھے۔ مجھے بلایا اپنے پاس کھڑا کر لیا اور فرمایا کہو غَلَط غَلَط اور اسی طرح کہتی رہو۔ جب ناشتہ فرما چکے تو مجھے رخصت دی۔ گھر میں مرکز سے کسی نہ کسی عالم کو بلا لیتے تا گھر میں دینی علم کا چرچا رہے۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری اور حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری تو مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ اس طرح گر کسی بزرگ سلسلہ نے خاص علاج کروانا ہوتا تو ابّا جان کے پاس تشریف لے آتے۔

عظیم بھائی سے پیار

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب آپ سے چھوٹے تھے۔ ابّا جان کو اُن سے

سے سیّدہ کو اگر بیٹیوں کی طرح پیار تھا تو ابّا جان پر انہیں بہت ناز تھا۔ ابّا جان ہمیشہ عید پر اپنی آپا کو عیدی بھیجتے۔

حضرت میر صاحب کے حضرت مسیح موعودؑ کے احترام کے باوجود بے تکلّفی کے تعلّقات بھی تھے۔ سیّدہ حضرت اُمّ متین صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ ابّا جان سُنایا کرتے تھے۔ آپا جان حضرت مسیح موعودؑ کے لئے سیب منگوا کر رکھا کرتے۔ ہمیں کبھی گدگدی محسوس ہوتی تو الماری کھولتے۔ اور کہتے آپا کتنے سیب لاویں۔ حضرت مسیح موعودؑ تصنیف فرما رہے ہوتے۔ ہماری آواز سُنتے تو سمجھ جاتے کہ ان کا سیب کھانے کو جی چاہتا ہے۔ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی۔ اور ہمیں سیب مل جاتے۔

اولاد کی تربیت

حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا ملازمت کے دوران ابّا جان بہت مصروف الاوقات تھے۔ ہم نے تو آپ کے بڑھاپے کو ہی دیکھا ہے۔ آپ بچّوں کو نماز باجماعت کی بہت تاکید فرماتے تھے۔ گھر میں نماز ادا فرماتے تو ہمیں ساتھ کھڑا کر لیتے دعائیں یاد کرواتے۔ بچّوں سے پیار بھی تھا۔ لیکن کڑی نظر رکھتے تھے۔ میں نے

بہت پیار تھا۔ مَیں نے خود دیکھا۔ چچا ابّا بیمار ہوئے تو ابّا جان اُن کے پاؤں سہلا رہے ہیں۔ آخری بیماری میں ابّا جان میر صاحب کے کمرے میں جاتے اور سخت بے چین ہو کر باہر آتے، دُعائیں کرتے اور فرماتے ڈاکٹر اب اُن کو کیوں ٹیکے پر ٹیکہ لگا رہے ہیں۔ یہ ٹیکے میرے دل پر لگتے ہیں۔ بھائی کی وفات پر اشعار میں کہا۔ میرا ایک بازو جاتا رہا۔ اُن کی وفات پر جو مضمون لکھا اُس میں فرمایا:۔

"وہ آفتابِ علم و حکمت اور مجموعۂ محاسنِ اخلاقِ نبوی
ہمیشہ کے لئے اس دُنیا سے غروب ہو گیا"
(الفضل یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء صـ۲)

بچّی کو گھر سے رخصت کرتے وقت

حضرت سیّدہ امّ متین صاحبہ نے احقر کے جواب میں فرمایا۔ مجھے گھر سے رخصت کرتے وقت ابّا جان نے ہدایات ایک نوٹ بُک میں اپنے قلم سے تحریر فرمائیں۔ جو میرا سرمایۂ زندگی ہے۔ مَیں ہر باپ سے گذارش کروں گا کہ وہ ان ہدایات کا مطالعہ کریں۔ اور اپنی لختِ جگر کو جب گھر سے رخصت کریں۔ خدارا انہیں بتلائیں کہ کس طرح وہ جانے والے گھر اور اپنی زندگی کو جنّت کا گہوارہ بنا سکتی ہیں۔ حضرت میر

صاحب نے اپنی بڑی بیٹی کو ان الفاظ سے الوداع کیا:۔

"مریم صدیقہ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
اس کاپی میں چند نوٹ اور نصیحتیں ہیں جو میرے نزدیک تمہارے لئے انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوں گی۔ اُمید ہے کہ تم ان پر عمل کرو گی اور میرے لئے دُعا کرو گی"

آغاز اس سے کیا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اُس نے اپنے فضل سے تم کو وہ خاوند دیا ہے جو اِس وقت روئے زمین پر بہترین شخص ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ الفاظ ہیں جن کا نزول وحی الٰہی کی صورت میں مسیح پاکؑ پر ہُوا اور جس کا آغاز فرزندِ دلبند گرامی ارجمند کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ الفاظ تحریر کر کے میر صاحب لکھتے ہیں:۔

بس تم اپنی خوش قسمتی پر جتنا بھی ناز کرو کم ہے۔

اس کے بعد فرمایا:۔

"مریم صدیقہ! جب تم پیدا ہوئیں تو مَیں نے تمہارا نام مریم اسی نیّت سے رکھا تھا کہ تم کو خدا تعالیٰ اور اس کے سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کروں۔ اس وجہ سے تمہارا دوسرا نام نذر الٰہی بھی تھا۔ اب اس نکاح سے مجھے یقین ہو گیا کہ

میرے بندہ نواز خدا نے میری درخواست اور نذر کو قبول
کر لیا تھا۔ اور تم کو ایسے خاوند کی زوجیت کا شرف بخشا جس
کی زندگی اور اس کا ہر شعبہ اور ہر لحظہ خدا تعالیٰ کی خدمت اور
عبادت کے لئے وقف ہے۔ پس اس بات پر بھی شکر کرو کہ
تم کو خدا تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور میری نذر کو پُورا کر
دیا۔ فالحمدللہ۔"

اس کے بعد محترم میر صاحب نے خاوند کی اطاعت کے بارہ میں
ارشادِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم درج کیا اور فرمایا:۔

"سمجھنے کے لئے بڑی موٹی بات یہ ہے کہ جس گھر میں خاوند
بیوی کا مطیع ہو جائے یا بیوی خاوند کی مطیع ہو جائے وہی
گھر بہشت بن جاتا ہے۔ اگر دونوں اپنے تئیں بادشاہ خیال
کریں تو ایسا گھر جہنّم سے بدتر ہو جاتا ہے۔ جب ایک سلطنت
میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے تو ایک گھر میں کس طرح سما
سکتے ہیں۔ پس عورت کو خاوند کے گھر جانے سے پہلے ہی سوچ
لینا چاہیئے کہ میں نے کامل اطاعت سے اپنے گھر اور آخرت
کو جنّت بنانا ہے۔"

فرمایا:۔

"میری پیاری مریم صدیقہ! تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری تین
سوکنیں پہلے موجود ہیں۔ وہ تمہاری شادی سے پہلے بھی تمہاری
بھابی جان تھیں اور تم ہم اور سب ان کی عزّت اس لئے کرتے
تھے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو حضرت خلیفۃ المسیح کی بیویاں بنایا
تھا۔ اَب تم بھی اس جماعت میں داخل ہو گئی ہو۔ پس ہمیشہ ان
کو اپنا بزرگ اور عزیز اور بہنوں کی طرح خیال کرو۔ بلکہ پہلے
سے زیادہ ان کی عزّت کرو۔ جس طرح چھوٹی بہن اپنی بڑی
بہن کی عزّت کرتی ہے۔ اور ان کے بچّوں کو ایسی ہی نظر سے
دیکھو جس طرح ایک بہن دوسری بہن کے بچّوں کو دیکھتی ہے
بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود کی نسل
اور ذرّیت ہیں۔ خدا تعالیٰ تم کو توفیق دے۔

مریم صدیقہ! تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح
پر خدمتِ دین کا کتنا بوجھ ہے اور اس کے ساتھ کس قدر
ذمّہ داریاں اور تفکّرات اور ہموم و غموم وابستہ ہیں اور کس طرح
وہ اکیلے تمام دُنیا کے برسر کارزار ہیں۔ اور اسلام کی ترقی اور
سلسلہ احمدیہ کی بہبودی کا خیال ان کی زندگی کا مرکزی نکتہ
ہے۔ پس ایسے مبارک وجود کو اگر تم کبھی بھی خوشی دے سکو

اور کچھ بھی ان کی تکان اور تفکرات کو اپنی بات چیت۔ خدمت گذاری اور اطاعت سے ہلکا کر سکو تو سمجھ لو کہ تمہاری شادی اور تمہاری زندگی بڑی کامیاب ہے اور تمہارے نامہ اعمال میں وہ ثواب لکھا جائے گا جو بڑے سے بڑے مجاہدین کو ملتا ہے۔

بیوی کا پہلا فرض ہے کہ جب وہ خاوند کے گھر جائے تو اُس کی مرضی پہچاننے کی کوشش کرے۔ اور اس کی طبیعت اور مزاج کا علم حاصل کرے۔ پھر اگلا مرحلہ یعنی خاوند کو راضی رکھنا بہت آسان ہوجاتا ہے۔ مگر بعض باتیں ایسی ہیں جو عموماً خاوند کی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔ ان سے خاص کر احتراز چاہیئے اور میں ان کا ذکر کر دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ بیوی اکثر اوقات خرچ کے لئے تقاضا کرتی ہے۔ خرچ حکمت سے لینا چاہیئے۔ نہ کہ تقاضہ اور تنگ کرکے اور جب خاوند کے پاس روپیہ موجود نہ ہو اس وقت مطالبہ کرنا اس کو تکلیف دینا ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ بیوی اکثر اوقات بدمزاج یا خاموش رہے اور جب خاوند گھر میں آئے تو اُسے سچے دل سے خوش آمدید

نہ کرے یا اس کی بات کاٹے۔ یا ایسے الفاظ لوگوں کے سامنے کہے جس میں خاوند کی کسی قسم کی تحقیر ہو یا بہت نخرے کرے اور ناز برداری کی خواہش رکھے۔ اس کی خیر خواہی کی بات کو نہ مانے۔ مثلاً وہ کہے کہ میرے ساتھ کھانا کھاؤ تو جواب دے کہ مجھے بھوک نہیں۔ وہ کوئی دوا تجویز کرے تو کہے یہ مجھے مفید نہیں ہوگی۔ میں اسے استعمال نہیں کروں گی۔ وہ کوئی کپڑا یا تحفہ لا کر دے تو اسے حقارت سے دیکھے۔ غرض ایسی بیسیوں چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن میں بیبیاں فیل ہوجاتی ہیں اور اپنی زندگی کو تلخ کر لیتی ہیں۔

بحث کرنا اور مخالف جواب دینا یہ خاوند کے دل سے بیوی کی محبت کو اس طرح اڑا دیتا ہے۔ جس طرح ربڑ پنسل کے لکھے کو۔ اور یہ عادت آج کل کی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں بہت ہے۔

مریم صدیقہ! تمہاری زندگی اب خلیفہ کی رضا جوئی اور خدا تعالےٰ کی محبت کے لئے ہے۔ اس لئے دُنیا کی چیزوں اور زینتوں سے ابھی سے اپنے دل کو ہٹا لو۔ بجائے رنگین کپڑوں، عمدہ جوتوں۔ نفیس زیورات کے قرآن مجید، نمازیں، روزے،

نیک کام، عُمدہ اخلاق، دینی کتابوں کا مطالعہ۔ پاک خواتینِ اسلام کے نقشِ قدم پر چلنا۔ سلسلہ کی خدمات میں حصّہ لینا۔ یہ باتیں تمہارا مقصود ہو جائیں۔ اور دُنیا کی زیب و زینت اصل مقصد نہ رہے۔

مریم صدیقہ! صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کی تلاوت اگر ہمیشہ کرتی رہو گی۔ تو تمہارے دل میں ایک نُور پیدا ہو گا۔"

اس کے بعد محترم میر صاحب نے اپنی بچی کو صفائی کے بارہ میں ہدایات دیں۔ جن میں یہ درج ہے کہ صبح، دوپہر، شام تین وقت مسواک کرو۔ اور فرمایا۔ خوشبو اور عطر کو شارع نے بہت پسند کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"مصنوعی پوڈر اور لپ سٹک وغیرہ چیزیں جلد کو آخر کار خراب کر دیتی ہیں اور بعض ان میں سے زہریلی بھی ہوتی ہیں۔ اور جو لوگ ایسی چیزوں کے بہت دلدادہ ہوتے ہیں۔ وہ آخر ادنیٰ خیالات میں ہی محصور ہو جاتے ہیں اور حسنِ اخلاق کی جگہ حُسنِ اعضاء ہی ان کا منتہائے نظر ہو جاتا ہے۔ پس سوائے کا ہے بیگاہے استعمال کے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں چاہیئے۔

مریم صدیقہ! جس نیک بی بی کو گھر کی صفائی۔ پکانا، سینا

اور خانہ داری آتی ہے وہ خاوند کو زیادہ خوش کر سکتی ہے بہ نسبت اس کے جو نکمّی ناولیں یا قصّے ہی پڑھتی رہتی ہے یا اپنے ہی بناؤ سنگار میں مصروف رہتی ہے۔"

بیماری میں زیادہ گھبراہٹ اور بے صبری نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بے قراری کا اظہار ایک معیوب بات ہے۔ صبر ایک اعلیٰ خلق ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لئے اور بھوک۔ بیماری۔ درد اور اذیّت پر صبر کرنا، صدق، تقویٰ اور ایمان کی علامت ہے۔

مریم صدیقہ! اگر ہر معاملہ میں اور ہر تکلیف اور مشکل اور آرام اور راحت میں خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنے کی عادت ڈالو تو اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی کو اپنے فضل سے نہایت کامیاب زندگی بنا دے گا۔ میں بھی تمہارے لئے خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں اور کرتا رہا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اُعُوْذُ بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ

پھر اُن کو قادیان کی سکونت مل جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس خوش نصیبی پر جتنا بھی ناز کرو کم ہے۔ جو لڑکیاں قادیان

میں پیدا ہوئیں اور یہاں جوان ہوئیں اور بیاہ کر باہر چلی گئیں اُن کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ ان پر کیا گزرتی ہے۔"

تندرستی اور صحت کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور فرمایا :۔

"صحت کے گرنے سے انسان کے خیالات، اخلاق اور اس کے نیک اعمال سب میں ناگوار تغیر آجاتا ہے۔"

اختتام آپ نے ان الفاظ پر کیا :۔

اوصیک بتقوی اللہ والمواظبۃ علی ذکر اللہ

خدا حافظ۔ والسلام۔ محمد اسمٰعیل

مجمع البحرین

علم کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ علم ادیان اور علم ابدان۔ حضرت میر صاحب علم کی دونوں اقسام کے جامع تھے۔ آپ ایک ماہر سرجن، ہمدرد ڈاکٹر نافع الناس کے ساتھ ساتھ۔ دینی علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد یہاں آپ کا طبّی فیضان جاری رہا۔ وہاں الفضل کے صفحات شاہد ہیں کہ ہر اہم اور پیش آمدہ مسئلہ پر آپ کے اسپ قلم نے جولانیاں دکھائیں۔ راقم الحروف نے آپ کی وفات سے نو ماہ قبل کے الفضل کی ورق گردانی کی تو دیکھا کہ چالیس سے زائد

مضامین صرف الفضل کے صفحات کی زینت بنے۔ ان میں دوستوں کے دینی سوالات کے جوابات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات۔ مقطعاتِ قرآنی تفسیر قرآن، ذکرِ الٰہی۔ دُنیا میں تکالیف اور مصائب کے فلسفہ سے لے کر پیش آمدہ مسائل سبھی پر آپ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت مصلح موعود سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی حضرت میر صاحب کے اس وصف کا ذکر فرمایا۔ آپ نے حضرت میر صاحب کے کتبہ کی جو عبارت تجویز فرمائی اُس میں فرمایا :۔

"ریٹائرمنٹ کے بعد اکثر صحت خراب رہتی جب اچھی ہوتی تو الفضل میں مضامین لکھتے۔" (تاریخ احمدیت جلد ۱۰)

علمی سرمایہ

بے شمار مضامین کے علاوہ آپ نے متعدد تصانیف فرمائیں مثلاً تاریخ مسجد فضل لنڈن، کرنہ کر۔ یہ قرآنی اوامر و نواہی کا سلیس ترجمہ ہے۔ مقطعات قرآنی۔ اربعین اطفال۔ تحفۂ احمدیت۔ جامع الافکار۔ بخارِ دل۔ آپ بیتی۔ حفاظتِ ریش۔

هَاذِمِ اللّذّات

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ

(ترمذی ابواب الذہد باب ماجاء فی ذکر الموت)

کہ موت جو کہ لذّتوں کو توڑنے والی ہے اس کو بہت یاد کیا کرو۔

فقہ اللغۃ میں امام ثعالبی ایک حدیث لائے ہیں۔

اَلنَّاسُ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا۔

کہ لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مرجائیں گے وہ بیدار ہوجائیں گے۔

موت زندگی کے خاتمہ کا نام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک تسلسل ہے۔ بلکہ مذہب کا تصوّر تو یہ ہے کہ زندگی ایک پردہ تھی جس کے اُٹھنے کے بعد حقائق کا انکشاف ہو گا۔ یہ قرآنی آیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے :۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔ (سورہ قٓ آیت ۲۳)

خدا کے بندے موت سے گھبراتے نہیں۔ وہ مسکراتے چہروں

سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔

اس دُنیا میں جب وہ اپنا مفوّضہ کام ختم کر لیتے ہیں تو پھر وہ خُدا کے پاس جانے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت میر صاحب کی زندگی میں عباد الرحمٰن کا یہ وصف ہمیں نمایاں نظر آتا ہے۔ خواجہ غلام نبی صاحب لکھتے ہیں :۔

" ایک روز مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا اَب تو دُنیا سے دل سرد ہوگیا ہے۔ اَب دُنیا کی کوئی حسرت نہیں۔ اَب موت کے لئے تیار ہوں۔ عرض کیا۔ آپ کو بے شک دنیا میں رہنے کی ضرورت اور خواہش نہ ہو۔ لیکن دُنیا کو اور خاص کر جماعت کو آپ کی بے حد ضرورت ہے۔ آپ ایسے الفاظ کیوں استعمال کرتے ہیں۔ فرمایا ایک اہم کام سرانجام دینے کے لئے مَیں نے خدا تعالیٰ سے کچھ مہلت مانگی تھی۔ اب وہ کام مکمّل ہوگیا اَور مَیں موت کے لئے تیار ہوں "

(الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء)

نظم میں اپنے مولائے حقیقی کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :۔ ؎

ایک پَل بھی اَب گذر سکتا نہیں تیرے بغیر
اَب تلک تو ہو سکا جیسے گذارا ہو گیا

بعد مُردن قبر کے کتبے پہ یہ لکھنا میرے
آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہو گیا
(الفضل ۱۹۴۳ء)

حضرت مولانا راجیکی صاحب نے میر صاحب کی آخری بیماری میں جب آپ کی صحت کے لئے خدا تعالیٰ سے دُعا کی تو آپ کو الہام ہؤا۔

"میر محمد اسمٰعیل ہمارے پیارے ہیں۔ ان کے علاج کی طرف فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہم خود ہی ان کا علاج ہیں"۔

اور یہ لکھنے کے بعد مولانا راجیکی صاحب نے اس کے نیچے امیر خسرو کا یہ شعر لکھا ہے:۔

از سر بالیں من برخیز اے نادان طبیب
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست
(الفضل ۶ راگست ۱۹۴۳ء)

کہ اے نادان طبیب میرے سرہانے سے اُٹھ جا کہ عشق کا درد رکھنے والے مریض کا علاج بجز دیدار کے اور کچھ نہیں۔

وفات سے قریب دو سال پہلے آپ نے ایک مضمون لکھ کر شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی کو دیا کہ میری وفات کے فوراً بعد اسے

شائع کروا دینا۔ یہ مضمون ۲۲ر جولائی ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع شدہ ہے۔ اور وفات کی تاریخ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب نے خود درج کی۔
اس تحریر کا ایک ایک لفظ وَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ کا مظہر ہے اور دالّ ہے کہ اس دُنیا میں حضرت میر صاحب کو اگلے جہان کے نظارے کروا دیئے گئے تھے۔ اور خدا کی صفات آپ پر جلوہ گر ہو گئی تھیں:۔

"مَیں محمد اسمٰعیل ولد حضرت میر ناصر نواب صاحب ولد سید ناصر امیر صاحب دہلوی آج مؤرخہ ۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء بوقت پونے آٹھ بجے شام اپنے احباب و اعزّہ سے رخصت ہو کر عالمِ برزخ میں آگیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری پردہ پوشی اور مغفرت فرمائے۔ آمین۔

مَیں نے دُنیا میں چھیاسٹھ سال قیام کیا۔ یعنی ۲۰ر شعبان ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۸۸۱ء دوشنبہ کے روز پیدا ہؤا اور اٹھارہ جولائی ۱۹۴۷ء میں اس جہانِ فانی کو چھوڑا۔ ناظرین اللہ تعالیٰ سے دُعا فرماویں کہ وہ مجھے قبر کے دُکھوں۔ حشر کی تکالیف پل صراط کے مصائب اور دوزخ کے عذابوں سے محفوظ رکھ کے جنّت الفردوس میں محض اپنے فضل، رحم

اور کرم سے جگہ عنایت فرمائے۔ اور اپنی نعمتوں سے
بہرہ وافر عطا کرے۔ آمین۔

ہم میں سے ہر ایک نے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ دُنیا کو ایک دن چھوڑنا ہے۔ مگر پھر بھی ہم اس سے اس طرح چمٹے رہتے ہیں جس طرح بچّہ ماں سے۔ اور ہرگز الگ ہونا نہیں چاہتے۔ یہاں تک کہ ہم کو زبردستی اور اکثر اوقات خلاف مرضی اس سے الگ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر موت نہ ہوتی تو ہم اپنے بڈھوں اور ناکارہ لوگوں کو شاید اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتے۔ یا دُنیا سے تنگ آجانے کی وجہ سے خودکشیاں کرتے پھرتے۔ دُنیا کی زندگی اور اس کے دُکھ آخرکار اس میں ہمارا رہنا دوبھر کر دیتے۔

پس خدا تعالیٰ کی کمال حکمت نے ہمارے لئے ایسا انتظام فرمایا کہ ہم خود ایک عمر کے بعد عالمِ دنیا سے اکتانے لگتے ہیں لیکن چونکہ دوسرا عالم بِن دیکھا ہوتا ہے۔ اور شاید آخرت پر کامل یقین میسّر نہیں ہوتا اور اپنے گناہوں کا ڈھیر سامنے نظر آتا ہے۔ اس لئے ہم کو دوسرے جہان کی طرف انتقال کرتے ہوئے سخت ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔

حالانکہ عالمِ بقا ہی اصل جگہ ہے۔ جہاں صفاتِ الٰہیہ اپنی پُوری شدّت کے ساتھ ہم پر جلوہ گر ہونے والی ہوتی ہیں۔ آخرت کی ربوبیّت دُنیا کی ربوبیّت سے شدید تر ہے۔ آخرت کا رحم دُنیا کے رحم سے ارفع تر ہے اور آخرت کی مالکیّت دُنیا کی مالکیّت سے اعلیٰ تر ہیں۔ موت تو صرف ایک دروازہ ہے جو ایک خاردار سُرنگ کے سرے پر ہے۔ اور دوست کو دوست سے اور بندہ کو اپنے مالک سے ملاتا ہے۔ پس چند کانٹوں کی خراشوں سے ڈر کر حُسنِ ازلی کی طرف نہ جانا یا نعمتِ ابدی سے مُنہ پھیر لینا اور اس مُحسن کی طرف والہانہ شوق و محبت اور عشق کے ساتھ قدم نہ اٹھانا محض بے وقوفی اور نادانی ہے۔ وہاں خدا دُنیا کے خدا سے زیادہ مہربان ہے۔ زیادہ کریم ہے۔ زیادہ غفور ہے۔ زیادہ منعم ہے۔ زیادہ مجیب و قریب ہے۔ زیادہ رؤف ہے۔ زیادہ نافع ہے۔ زیادہ حنّان و منّان ہے اور زیادہ سے زیادہ ہماری خواہشیں پُوری کرنے والا ہے۔ اور یقیناً ویسا نہیں جیسا غیر مذاہب والوں نے اس کو سمجھ رکھا ہے۔ یا ہم میں سے اکثر نے اس کو ہوّا بنا رکھا ہے۔ اس نے تو انسان کو بہشت کے

لئے اور اپنی صفات کے فیضان کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس یہ بدظنی اپنے محسن پر کیوں کر روا رکھی جا سکتی ہے۔ کہ وہ ہم کو وہاں دائمی دُکھ دینے کے لئے لئے جاتا ہے۔ مَیں نے دُنیا میں تکالیف، ابتلاء، مصائب اور بیماریاں سب دیکھے مگر ان میں بھی خدا کے فضل اور اُس کی رحمت کو ہر قدم پر محسوس کیا۔ پس اَب جبکہ لقائے الٰہی کا مقام قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ مَیں کیونکہ آگے بڑھنے یا انتقال مقامی سے ڈرتا رُکتا ہوں۔

سو اَے عزیزو! تم بھی اس رحمان رحیم خدا کی محسنانہ صفات پر ایمان بلکہ یقین رکھو۔ اور موت کو صرف ایک سیڑھی سمجھو جو نچلی منزل سے انسان کو بالا خانہ تک پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کی کسی چیز کا محتاج نہیں۔ نہ اس کے مال کا نہ اس کی عبادت کا۔ وہ تو صرف اتنا چاہتا ہے کہ بندے اس کو ہی اپنا پیارا ربّ تسلیم کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور اسی کو اپنا محسن، اپنا مُنعم، اپنا خیر خواہ اور اپنا مالک سمجھیں۔ پس کیا اتنی سی بات کے لئے انسان اپنی عاقبت خراب کر سکتا ہے۔ اس نے تو فرما دیا

ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ پس کیا اس کلمہ کے کہنے اور مان لینے سے جو محض حق ہی حق ہے۔ کوئی انسان انکار کر سکتا ہے۔ مَیں نے ایک عظیم الشان نبی سے لے کر دُنیا کی ادنیٰ ترین مخلوق کو اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن جو کرم۔ جو رحم۔ جو شفقت۔ جو مروّت اور جو احسان مجھے اپنے خداوند خدا میں نظر آیا بخُدا وہ ہرگز کسی دوسرے میں نظر نہیں آیا۔ پس ایسے خدا کے لقاء سے اور اس کے رُو برو پیش ہونے سے ڈرنے کے کیا معنی۔ دُنیا کے آرام اور نعمتیں ان آراموں اور نعمتوں کا کیا مقابلہ کر سکتی ہیں جو اس نے ہمارے لئے اگلے جہاں میں مقدّر کر رکھی ہیں۔ نیک اخلاق اور مذہبی عبادتیں تو محض ہمارے اپنے فائدہ کے لئے ہیں۔ نہ کہ خدا کے کسی فائدہ کے لئے۔ لیکن اگر ان میں کچھ کمی رہ جائے تو اسے دُعاؤں سے پُوری کرو۔ مگر اپنے آقا کا دامن کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔ کیونکہ ایسی وفاداری بہر حال تمہارے لئے بابرکت اور سود مند ثابت ہوگی۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ آمین

أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا
مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ اٰمین۔

سفرِ آخرت کی تیاری

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کو اُن کی وفات کے وقت کے بارہ میں بھی بتلا دیا تھا۔ مرزا عزیز احمد صاحب راوی ہیں کہ وفات سے کچھ عرصہ قبل میر صاحب نے صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کو بتلایا کہ میری وفات چھیاسٹھ سال کی عمر میں ماہِ جولائی میں جمعہ کے دن ہوگی اور یہ بات میں ایک خواب کی بناء پر کہتا ہوں۔

(الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء)

اپنی نوٹ بُک میں درخواست کے عنوان سے آپ نے ایک تحریر لکھی۔ مرزا عزیز احمد صاحب کو بُلا کر اسے پڑھایا۔ فرمایا اچھی طرح سمجھ لو۔ جب میاں عزیز احمد صاحب نے عرض کی کہ سمجھ لیا۔ تو فرمایا اس پر دستخط کر دو۔ تحریر کا ہر لفظ اس پر شاہد و ناطق ہے کہ الایمان

بین الخوف والرجاء۔ کہ ایمان اُمید و بیم کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ خدا کی رحمت کے امیدوار بھی رہو اور اُس کی محبت سے خوف بھی رہے۔ تحریر کے الفاظ یہ تھے:۔

"آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ کوئی شخص اپنے انجام سے آگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ میرا انجام اچھا کرے اور مجھے بہشتی مقبرہ کا اہل بنائے۔ اگر یہ فضل مجھ پر خدائے قدوس کی طرف سے ہو جائے تو میری خواہش ہے کہ اپنے لوگوں میں دفن ہوں۔ ایک جگہ حضرت والدہ صاحبہ اور دیوار کے درمیان ایک قبر کی ہے۔ حضور کی مہربانی ہوگی اگر مجھے وہاں دفن کیا جائے۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔

اسی نوٹ بُک میں تحریر ہے:۔

"میری نعش کو غسل دینے کے لئے اگر ممکن ہو تو شیخ عبدالرحیم صاحب بھائی جی اور شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی اور حکیم عبداللطیف صاحب شہید کو بُلا لیا جائے۔ شہید صاحب پانی ڈالیں۔ کفن موجود ہے۔"

(الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء)

آپ کی بیماری

اپریل ۱۹۴۷ء میں آپ کو دمہ کا شدید دورہ ہُوا۔ وسط جون میں بیماری نازک صورت اختیار کر گئی۔ اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے خُطبہ جمعہ میں آپ کے لئے دُعا کی تحریک کی۔ جس میں حضرت مسیح موعود کے ابتدائی صحابہ کی تربیت۔ ان کے رُوحانی مقام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت میر صاحب کے لئے دُعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ صحابہ کے وجود کو لمبے عرصہ تک قائم رکھے تاکہ جماعت کے اندر ایسے نئے وجود پیدا ہو جائیں جو اپنی قربانی اخلاص اور تقویٰ کے لحاظ سے صحابہ کا ہر رنگ رکھتے ہوں"

حضور نے فرمایا:۔

"رُوحانی رنگ ظاہری قربانیوں سے پیدا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ سے دُعائیں کرنا اس کے کلام پر غور کرنا۔ اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور دوسروں کے اندر بھی ان صفات کو پیدا کرنا۔ اس کا نام روحانیت ہے..... اللہ تعالےٰ کی محبّت اور صفاتِ الٰہیہ کو اپنے اندر جذب

کرنا اور لوگوں کو ان چیزوں کی طرف توجہ دلانا۔ یہی اصل رُوحانیت ہے" (الفضل ۷ر جولائی ۱۹۴۷ء)

۶ - ۷ر جولائی ۱۹۴۷ء کو آپ پر نمونیہ کا حملہ ہُوا۔ ہر ممکن علاج کیا گیا۔ لیکن خدائی تقدیر اب یہ معلوم ہوتی تھی کہ گلستانِ احمدیّت کی نغمہ ریز عندلیب جنّت کے اشجار کی شاخوں پر چہچہائے۔ خدا کا زاہد اور تارکِ دُنیا بندہ اپنے محبوبِ ازلی کے ہاں حاضر ہو جائے۔

رفیقۂ حیات کو وصیّت

"وفات سے چند روز قبل اپنی اہلیہ محترمہ کو بلایا۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا۔ وعدہ کرو میرے مرنے پر آہ وزاری نہ کرو گی۔ دین سے ناواقف عورتیں بین کرتی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہ کرو گی۔ حدیث میں آیا ہے بے اختیار جو آنسو نکل جائیں اُن کا کوئی حرج نہیں" (الفضل ۲۲ر جولائی ۱۹۴۷ء)

۱۸ر جولائی

۱۸ر جولائی جمعہ کا روز تھا۔ ساڑھے چھ بجے کے قریب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے سورۂ یٰسین کی تلاوت نہایت سوز اور درد میں ڈوبی ہوئی

آواز کے ساتھ کی۔ ساڑھے سات بجے کے قریب حضرت مصلح موعود صحن میں ٹہل رہے تھے کہ اندر سے اچانک آواز آئی جلدی آئیں حالت نازک ہے۔ حضور اندر تشریف لے گئے تو سانس اکھڑ رہا تھا۔ سات بج کر چالیس منٹ پر آپ نے آخری سانس لی۔ اور میر ناصر نواب کا لختِ جگر۔ اماں جان کا بھائی۔ مسیح موعود کا منظور نظر۔ اپنے خدا کے حضور حاضر ہو گیا۔

انیس جولائی کو آٹھ بجے جنازہ اٹھایا گیا۔ نماز جنازہ کی انیس صفیں تھیں۔ چھ سات ہزار کے درمیان احباب نماز میں شریک ہوئے۔ میر صاحب کے موعود بھانجے اور داماد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد کفن کا منہ کھولا اور خلیفۃ المسیح نے ماموں کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے اور پھر باری باری خاندان کے دوسرے افراد نے نورانی جبین کو چوما۔ چہرہ باوجود طویل بیماری کے بہت بارونق۔ شگفتہ اور نورانی نظر آتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح۔ میر داؤد احمد اور میر سید احمد ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے آپ کا جسدِ مبارک لحد میں رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالی اور آخری دعا کروائی۔ آپ کی قبر کے کتبہ کی عبارت حضرت مصلح موعود نے یہ تجویز فرمائی:۔

"حضرت مسیح موعودؑ کو ان سے بہت محبت تھی۔ اُن کے تمام

کاموں میں آپ دلچسپی لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت میر صاحب کو آپ کے ساتھ عاشقانہ تعلق تھا۔ بھائیوں میں حضرت امّ المومنین کو میر محمد اسمٰعیل سے زیادہ محبت تھی۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جب خطبہ الہامیہ دیا تو حضور نے تحریک فرمائی۔ احباب اسے یاد کریں۔ حضرت میر صاحب نے چند دن میں یاد کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو سُنا دیا .... آپ مسیح موعودؑ کے منظورِ نظر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اکثر صحت خراب رہتی۔ جب اچھی ہوتی الفضل میں مضامین لکھتے"

الفضل نے آپ کی وفات کی خبر جماعت کو ان الفاظ میں دی:۔

"یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ درج کی جاتی ہے کہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب آج بروز جمعہ بتاریخ ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء بوقت قریباً پونے آٹھ بجے شام انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت میر صاحب مرحوم حضرت مسیح موعودؑ کے نسبتی بھائی تھے۔ آپ کا تقویٰ و طہارت اور صوفیانہ زندگی اور علم و عمل جماعت کے لئے خاص نمونہ تھی۔" (الفضل ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء)

حضرت مولانا شیر علی صاحب آپ کے ہمسایہ تھے انہوں نے میر صاحب

محترم کی وفات پر جو مضمون لکھا اس کا ایک حصّہ پیش خدمت ہے:-

" حضرت ڈاکٹر میر صاحب مرحوم کے ریٹائر ہو کر قادیان آنے کے وقت سے باقاعدہ آپ کی ہمسائیگی بندہ کو میسّر آئی۔ اس عارضی اور مستعار زندگی کے دوران میں آپ نے ہمسائیگی کے تعلق کو جس خوبی اور عمدگی سے نباہا ہے بندہ اس کے بیان سے آپ کو عاجز پاتا ہے۔ آپ ان تمام حقوق کی ادائیگی میں جن کو کہ اسلامی شریعت ایک مسلمان ہمسایہ پر واجب قرار دیتی ہے۔ نہایت ہی اعلیٰ، بلند پایہ اخلاق پر قائم تھے۔ جہانتک کہ بندہ نے دیکھا کہ آپ کی طرف سے ہمسائیگی کا تعلّق یگانگت اور شفقت اور محبّت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اور اس پاک وجود نے دُوئی کے تمام پردوں کو چاک کر کے رکھ دیا تھا۔ آپ بلا تکلّف۔ بلا احساسِ غیریت نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے مشفقانہ اور برادرانہ رنگ میں بندہ کے مکان پر تشریف لاتے۔ گھریلو قسم کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات پر گفتگو فرماتے اور ہر چھوٹے بڑے اَمر میں دلچسپی لیتے۔ آپ کی ذات میں میں نے بہترین قسم کا ساتھی۔ ہر کام کا عُمدہ مشیر اور ہر دُکھ میں بہترین غمگسار پایا...... حضرت میر صاحب

عشقِ الٰہی کا چلتا پھرتا مجسّمہ تھے۔ سلسلہ کی عزّت و عظمت کا قیام ان کا مطمح نظر تھا۔ وہ ہر وقت دینی مطالعہ میں مستغرق رہتے۔ خُدا کی قدرتوں پر فکر کرتے رہتے تھے۔ بہت بڑے نکتہ رَس عالمِ دین تھے۔" (الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء)

حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے آپ کی وفات پر فرمایا:-

" حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب دونوں بھائی اپنے رنگ میں بینظیر تھے اور سلسلہ کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نہایت متّقی اور نہایت متواضع تھے۔ مخلوقِ خدا کی دینی و دنیوی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اپنی تکلیف نظر انداز کر کے بھی دوسروں کا کام کر دینا اُن کی عادت تھی...... حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ آپ کو ایک خاص قسم کا تعلق تھا۔ آپ کی نظر بہت باریک بین تھی۔" (الفضل ۲۳ جولائی ۱۹۴۷ء)

حضرت مولانا راجیکی صاحب نے فرمایا:-

" آپ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت اور معرفت کے لحاظ سے آپ کے اندر عبدِ مسلم کا بہترین نمونہ پایا جاتا تھا

.... اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت کا سلسلہ شب و روز جاری تھا۔ آپ قرآنی حقائق اور لطائف سے خاص طور پر لطف اندوز ہوا کرتے تھے ...... قرآنی حقائق کا فہم دقیق آپ کو عطا کیا گیا تھا۔ آپ قرآنی معارف کے غوّاص تھے۔ اور آپ کا فہم رسا دقائق کی گہرائیوں میں دُور تک نکل جاتا۔" (الفضل ۲ اگست ۱۹۴۷ء)

خالدِ احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے کہا۔

"روحانی علوم میں آپ کو خاص دسترس حاصل تھی۔ قرآن مجید کے کے ساتھ عشق تھا۔ اس کی آیات میں تدبر کے عادی تھے۔ مشکل مقامات کو حل کرتے۔ اور نہایت آسان پیرایہ میں بیان کر کے اشکال دُور فرماتے۔ آپ عالم باعمل تھے۔ تصوّف میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ عالم بھی تھے، صوفی بھی تھے۔ زاہد بھی تھے۔ نہایت شیریں مقال۔ شیریں زبان اور بامذاق دل پسند۔ ہم جلیس تھے۔ عمدہ اور دلچسپ نثر لکھتے۔ لطیف اور دل پسند شعر کہتے۔" (الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۴۷ء)

مولانا قاضی محمد نذیر صاحب نے آپ کی وفات پر کہا۔

"میر صاحب سادہ زندگی بسر کرنے والے، غریبوں کی

مجلس میں بیٹھنے سے مسرت محسوس کرتے۔"

(الفضل ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء)

آپ کی وفات کا صدمہ کوئی معمولی صدمہ نہ تھا۔ ہر دل نے اسے محسوس کیا۔ شیخ روشن دین صاحب تنویر نے اپنے جذبات کا اظہار ان اشعار میں کیا۔ ؎

پھر یم سے جا ملا دُرِ یکدانہ ایک اور
نُورِ ازل میں ڈھل گیا پروانہ ایک اور
پیمانہ تنگ اور وفورِ مئے حیات
چھلکا مئے حیات سے پیمانہ ایک اور
اہلِ بہشت لے ہی گئے ہم سے چھین کر
تسبیح ریز بلبلِ مستانہ ایک اور

(الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۴۷ء)

ایک دوسرے شاعر سیف اللہ صاحب فاروقی نے آپ کی وفات پر لکھا۔ ؎

خون کے دریا بہالے دیدۂ خونناب بار
سامنے ہے آج تیرے میر صاحب کا مزار

مظہرِ اوصافِ احمد ہستی گردوں وقار

اے کہ تیرے نام سے تھا علم دیں کا افتخار

رہتی دُنیا تک رہیں گے کام تیرے یادگار

اَور تیری نیکیوں کے معترف لیل و نہار

مسیح پاک کے درختِ وجود کی سرسبز شاخو! حضرت مسیح موعودؑ سماءِ احمدیّت کے قمر تھے تو صحابہ درخشندہ تارے۔ وہ شمع جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے قادیان میں روشن ہوئی۔ یہ سب اُس کے پروانے تھے۔ یہ مسیح پاک کے شیدائی اور فدائی تھے۔ یہ احمدیت کی پیشانی کے جھومر تھے۔ ان میں سے ہر شخص "ینصرک رجالٌ نوحی الیھم من السّماء" کا مصداق تھا۔ خدائے قدوس کی تقدیر انہیں مسیح پاک کے قدموں میں لائی تھی۔ اور اُس قادر و قدیر خدا کی تقدیر کے ماتحت پھر ایک ایک ستارہ اس آسمان سے غروب ہُوا۔ ان میں سے ہر ایک مسیح پاک اور احمدیت کی صداقت کی دلیل تھا۔ ان میں مسیح کی سچائی کی جھلک نظر آتی تھی۔ یہ جیتے بھی احمدیّت کیلئے تھے اور یہ مرے بھی احمدیت کی خاطر۔ ہماری گنہگار آنکھیں اب انہیں ڈھونڈھ رہی ہیں۔ اور وہ اگلے جہان میں آنکھیں کھول چکے ہیں اور ہمیں کہہ رہے ہیں:-

" دیکھنا اس آسمان کی رونق اور سج دھج میں فرق نہ آنے دینا۔"

اَے مسیح پاک کے قدوس و کریم خُدا! رنگ والے! ہمیں بھی ان صحابہ کے رنگ میں رنگ دے کہ تیرے رنگ سے کونسا رنگ بہتر ہے؟

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنَ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

حُلیہ و عاداتِ مُبارکہ

قد درمیانہ۔ رنگ گندمی سفید۔ وجیہہ قمری چہرہ۔ عشقِ الٰہی اور محبّتِ رسُولؐ کا نُور چہرہ پر عیاں۔ کشادہ پیشانی۔ ستواں ناک۔ گھنی داڑھی۔ اعضاء بھاری۔ جسم بھرا بھرا۔ باوقار چال۔ بات بہت نرمی سے کرتے لیکن ترازو میں تول کر۔ تقریر کی بجائے تحریر کو اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا۔ مسائل پر دقیق اور گہری نظر ڈالتے۔ آپ کے مضامین احباب بہت شوق سے پڑھتے۔ آپ کی مجالس دینی اور علمی گفتگو پر مشتمل ہوتی۔

طبیعت میں زُہد تھا۔ دُنیا کی زخرفات انہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں۔ وہ دُنیا میں رہتے ہوئے بھی اس دُنیا کے نہ تھے۔ گویا آپ کی زندگی اس شعر کی مصداق تھی :- ؎

در جہاں و باز بیروں از جہاں

بس ہمیں آمد نشانِ کاملاں

کاملوں کی نشانی یہی ہے کہ وہ دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا میں نہیں ہوتے۔

صوفی مزاج لیکن زندہ دل، مخلوق خدا کے ہمدرد و غمخوار۔ آپ کی تربیت چونکہ اس پاک گھرانہ میں ہوئی تھی اس لئے خدا اور اس کے رسول کی محبت آپ کی رُوح کی غذا تھی۔ تدبّر اور غور و فکر کی عادت تھی۔ جب علم کے بحر میں غوطہ زنی کرتے تو انمول موتی نکال کر لاتے۔ قرآنی معارف سے خاص شغف تھا۔ نمازوں کے پابند اور اپنی اولاد کو اس کی تلقین کرنے والے۔ سادہ لباس۔ سادہ غذا۔ حفظِ مراتب کا بہت خیال رکھنے والے۔ اُن کا اوڑھنا اور بچھونا دین تھا۔ وہ اس آیت کے مصداق تھے:۔

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی آپ کی پھوپھی زاد سے ہوئی۔ جب ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو دوسری شادی حضرت مرزا محمد شفیع صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ اللہ تعالےٰ

نے آپ کو اس بیوی کے بطن سے کثیر اولاد سے نوازا۔ تین ۳ لڑکے سیّد محمد احمد، سیّد سعید احمد ناصر اور سیّد امین احمد۔ اور سات لڑکیاں عطا فرمائیں۔ سب سے بڑی لڑکی حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ حضرت مصلح موعود کے عقد میں آئیں۔

مواعظ و حِکم

حضرت میر صاحب نے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ جس کا عنوان تھا۔ "کرنہ کر"۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کتاب کا انتساب آپ نے تجویز فرمایا

"دُنیا کے سب سے بڑے حکیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی پر"

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے بڑے حکیم جن کی باتیں حکمت و دانائی سے لبریز ہیں وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے پاک کلام میں انہیں معلّم حکمت کہا۔

حضرت میر صاحب نے چھوٹے چھوٹے فقرات میں نہایت پُرحکمت باتیں حفظانِ صحت۔ تہذیب و تمدّن اسلامی۔ مالی معاملات۔ علم۔ اخلاقیات کے بارہ میں بیان فرمائیں۔ چند فقرات پیش ہیں:۔

٭ تو صبح کی سیر سے اپنی صحت کو ترقی دے۔

٥۔ تُو اتنا کھا کہ بدن کی غذا ہو کہ نہ بدن اُس کی غذا ہو جائے۔

٥۔ تُو کسی دوائی کی شیشی کو بغیر لیبل نہ رکھ۔

٥۔ تُو مکان اور کمرے کی اشیاء کو باترتیب اور سلیقہ سے رکھا کر۔

٥۔ یاد رکھ کہ اسلامی تمدّن کی بنیاد حقیقی اخوّت پر ہے نہ کہ مادّی ٹیپ ٹاپ پر

٥۔ تُو اپنے وطن سے محبت رکھ۔

٥۔ اپنے بزرگوں پر فخر کرنا اور خود کچھ نہ ہونا حقیقت کے خلاف ہے۔

٥۔ اے طالب علم! تُو غور و فکر کی عادت ڈال — لکھتے ہوئے سطریں سیدھی لکھنے کی عادت ڈال۔

٥۔ اگر اگلے بزرگوں نے کوئی غلطی کی ہے تو اُن کی پیروی نہ کر مگر اُن پر طعن بھی نہ کر۔

٥۔ تُو اسلام یا احمدیّت کی تبلیغ سے کبھی غافل نہ ہو۔

٥۔ اے خاتون! تیرے حُسن سے زیادہ تیرے اخلاق اور تیرے اخلاق سے زیادہ تیرا دین خدا تعالےٰ کے نزدیک وقعت رکھتا ہے۔

٥۔ اگر تُو خدا تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے تو نوافل پر زور دے۔

٥۔ اے ملازم تو سرکاری سٹیشنری اپنے نجی کام میں نہ لا۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضؓ

سادات کا یہ گھرانہ کتنا مقدس گھرانہ تھا۔ کہ جس کے آسمان پر تین ایسے درخشندہ ستارے طلوع ہوئے۔ جو رہتی دُنیا تک اپنی روشنی سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں دُنیا کو منوّر کرتے رہیں گے۔ میری مراد حضرت اماں جان نصرت جہاں بیگم صاحبہ اور دو۲ بھائیوں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب سے ہے۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے ۱۸۹۰ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد محترم میر ناصر نواب صاحب ملازم تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام سیّد بیگم صاحبہ تھا۔ زندہ رہنے والے ایک بہن اور دو۲ بھائیوں سے آپ چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تینوں میں سے پہلے صرف چون برس کی عمر میں انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ تاہم آپ نے عشقِ رسولؐ، علم، سیرت، حُسنِ سلوک اور خدمتِ سلسلہ کی وہ

حسین یادیں چھوڑی ہیں۔ جنہوں نے انہیں زندہ جاوید کر دیا۔ ؎

تمہیں کہتا ہے مُردہ کون تم زندوں کے زندہ ہو
تمہاری خوبیاں قائم، تمہاری نیکیاں باقی

اس زمانہ کے جنید بغدادی

کہتے ہیں کہ مشہور صوفی بزرگ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کی لحد پر کھڑے ہو کر ایک مجذوب نے یہ شعر پڑھے اور پھر اس کے بعد کسی نے اس مجذوب کو نہیں دیکھا۔ وہ شعر یہ تھے:۔

وا اسفا علی فراق قوم
هم المصابیح وَ الحصون
وَ المدن والمزن والرواسی
وَ الخیر والامن والسّکون
لَمْ تتغیّر لنا اللیالی
حتّٰی توفّا هم المنون
فکلّ جمرلنا قلوبٌ
فکلّ ماء لنا عیون

ترجمہ:۔ ہائے افسوس ان لوگوں کی جدائی پر یہ چراغ راہ تھے یہ

حصن حصین تھے۔ ان سے شہر آباد تھے۔ یہ رحمت خداوندی کے ابر تھے۔ یہ بلند پہاڑ تھے۔ یہ بھلائی، امن اور سکینت کا باعث تھے۔ جب موت نے ان کو آلیا۔ دن بدل گئے۔ اب دل انگارے ہو چکے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔

حضرت میر صاحب کی وفات پر خلیفۂ وقت حضرت مصلح موعود نے اُسی گھر میں جہاں حضرت میر صاحب نے آخری سانس لیا تھا مغرب کی نماز کے بعد حضرت میر صاحب کی مثال حضرت حسن بصری اور جنید بغدادی سے دی۔ آپ نے فرمایا۔

"اسی طرح ایک کے بعد ایک زمانہ کے لوگ گزرتے چلے گئے اور جب سارے گزر گئے تو کسی وقت عالم اسلام کے لئے حسن بصری اور جنید بغدادی کی وفات ایسے ہی صدمہ کا باعث تھی۔ جیسے صحابہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات۔ مگر یہ احساس نتیجہ تھا اس بات کا کہ حسن بصری اور جنید بغدادی جیسے لوگ مسلمانوں میں بہت شاذ پیدا ہوتے تھے۔ اگر ساری اُمّت ہی حسن اور جنید ہوتی تو وہ درد اور چبھن جو ان بزرگوں کی وفات پر بلند ہوئیں۔ یوں

"بلند نہ ہوتیں۔" (الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء)

ہاں ہاں اس وقت مجھے مسیح پاک کے برادرِ نسبتی اور رضاعی بیٹے کا ذکر کرنا مقصود ہے جنکے جان و تن میں عشق رسول ؐ کی خوشبو تھی جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی عاشق تھا۔

ہاں اس وجود کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دین سے بہرہ وَر کیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے متعلق بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی تفقّہ عطا کرتا ہے۔ حضرت میر صاحب کو جنہوں نے سُنا ہے اور جنہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمّذ طے کئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جھولی اِس خیر سے بھری تھی۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و نفوس العالمین نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک حقیقی مؤمن نہیں بن سکتا۔ جب تک خدا کا رسول اُسے اُس کے ماں باپ اولاد اور سب جہان سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔ (بخاری کتاب الایمان)

اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ان عشاق رسولؐ میں سے تھے جن کا

ذکر اس حدیث میں ہے۔

ہاں مجھے اس دردمند صاحب فکر و نظر کا کچھ ذکر کرنا ہے۔ جو اَوّاہ تھا۔ جو یتیموں کا باپ اور مسکینوں کی ماں کی مانند تھا۔ خدمت سلسلہ اور علم ان کی رُوح کی غذا تھی۔ وہ جب تک جیئے خدا اس کے رسول اور خدمت سلسلہ کے لئے جیئے۔ انہوں نے ساری زندگی زُہد میں گذاری اور آخری سانس تک آپ نے اُس عہد کو نبھایا جو بیعت کے وقت ہم میں سے ہر ایک کرتا ہے کہ۔

"مَیں دین کو دُنیا پر مقدّم رکھوں گا۔"

جب بھی حضرت میر صاحب کی یاد آتی ہے۔ دل قابو میں نہیں رہتا۔ جذبات آنسو بن کر آنکھوں میں ڈھلک آتے ہیں۔ آپ کی سیرت اور کچھ مناقب اور اپنے جذبات کا اظہار مضمون کے آخر میں کردوں گا۔

خودنوشت سوانح

اَب مَیں آپ کے سوانح جو خود آپ نے رقم فرمائے درج کرتا ہوں یہ حالات جامعہ کے سالنامہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں پہلی بار شائع ہوئے:۔

"میری پیدائش ۵ ستمبر ۱۸۹۰ء کو بمقام لدھیانہ ہوئی جہاں حضرت والد صاحب مرحوم سرکاری ملازم تھے۔ غالباً ۱۸۹۴ء

کے بعد سے مستقل سکونت قادیان میں ہے۔ قیام حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانہ میں آپ کے دار میں تھا۔ بچپن سے اٹھارہ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک قریباً اسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور۔ بٹالہ۔ لاہور۔ سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔

آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہا۔ حضور نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کے خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسوّدہ مختلف جگہ سے فرماتے گئے اور مَیں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جاتا۔ اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی تلاش کرکے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہؤا۔ آپ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔ آپ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں اور بہت سے نشانوں کا مورد بھی ہوں۔ جن دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ دونوں وقت مَیں بھی شریک ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ ہم عربی میں اَستَسقِنی السماء

کہہ کر پانی مانگا کرتے تھے۔ بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہؤا کہ حضور نے مغرب و عشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں اور مَیں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔ غالباً میں پیدائشی احمدی ہوں۔ نہایت چھوٹی عمر سے اب تک حضور کے دعاوی پہ ایمان ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کو دل سے صدّیقِ اکبر اور سچّا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضرت خلیفہ اوّل سے بچپن سے نہایت بے تکلفی اور محبّت و پیار کا تعلق تھا۔ اُن کی وفات پر سچے دل سے صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو خلیفۂ ثانی سمجھتا ہوں۔

باقاعدہ اور بے قاعدہ مولوی عبدالکریم صاحب، حافظ روشن علی صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت خلیفۂ اوّل سے عربی علوم پڑھنے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۰ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں داخل ہؤا۔ جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرس تھا۔ اب جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا ہوں۔ اس ملازمت کے علاوہ بعض اور کام بھی خلافت ثانیہ میں سلسلہ کے سرانجام دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ

کے وجود سے جو شرف حاصل ہوئے وہ اس لئے لکھے ہیں کہ ابتداء ایسی اچھی ہے۔ پڑھنے والے دعا کریں کہ انتہاء بھی ایسی ہی اچھی ہو۔

عروسی بود نوبتِ ماتمت
اگر برنکوئی بود خاتمت

خدمتِ سلسلہ

حضرت میر صاحب مدرس مدرسہ احمدیہ۔ استاذ الجامعہ، قاضی سلسلہ ناظر دعوت و تبلیغ۔ ناظر بیت المال۔ ناظر ضیافت۔ ممبر صدر انجمن احمدیہ۔ صدر مجلس ارشاد۔ افسر جلسہ سالانہ کے جلیل القدر عہدوں پر متمکن رہے۔ اور جس محکمہ میں آپ کا تقرر ہوا۔ آپ نے اس میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ آپ سخت محنتی اور انتھک انسان تھے۔ جن لوگوں نے قادیان دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت میر صاحب جن دنوں دار الانوار میں رہتے تھے۔ گرمیوں، سردیوں میں جامعہ احمدیہ جو قادیان کے ایک طرف تھا، پیدل جاتے تھے۔ آپ وقت کی بہت پابندی فرماتے۔

ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ

۱۹۳۷ء میں جب شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری کو جماعت سے نکالا گیا۔ تو جامعہ احمدیہ سے آپ کا تبادلہ بطور ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ کیا گیا۔ شیخ مصری صاحب کا یہ باطل زعم تھا کہ مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ ان کے اثر میں ہیں۔ حضرت میر صاحب نے چارج لیتے ہی مدرسہ کی ظاہری و معنوی کایا پلٹ دی۔ جس طرف کلاس میں استاذ کی کرسی تھی ادھر طلباء کے ڈیسک کروا دیئے اور استاد کی کرسی دوسری طرف۔ بعض کلاسوں کے کمرے تبدیل کر دیئے۔ وقت کی ایسی پابندی فرماتے کہ مدرسہ کی پڑھائی شروع ہونے کے وقت کے چند منٹ بعد گیٹ بند کروا دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اساتذہ نے بھی وقت کی پابندی کی۔ جو طلباء دیر سے آتے۔ ان کو ایک گول دائرہ میں کھڑا ہونا پڑتا۔ جس کا نام "دائرۃ الکسالی" تھا کہ سست طلباء کا دائرہ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلباء بھی وقت پر آتے۔ جو لڑکے سبق یاد کر کے نہ آتے انہیں چھٹی کے بعد ایک کلاس میں کچھ دیر رکنا پڑتا جس کا نام آپ نے "تنبیہ الغافلین" رکھا تھا۔ چنانچہ طلباء سبق یاد کر کے آتے۔ صرف و نحو کچھ دقیق مضمون ہے۔ اس پر آپ نے نہایت آسان زبان میں رسالے تصنیف کروائے۔

مدرسہ احمدیہ کی آخری دو کلاسوں کو حدیث، فقہ جس میں علم میراث بھی تھا۔ اور منطق آپ خود پڑھاتے تھے۔ آپ کی آمد سے قبل مدرسہ کی عمارت کچی تھی۔ آپ نے اس عمارت کے باہر کی طرف پکی اینٹیں لگوا کر اسے غلافی بنوایا اور اس پر سُرخ رنگ کروا کر مدرسہ کی ہیئت ہی بدل دی۔ مدرسہ کے اُوپر ایک چوبارہ تھا جو ان دنوں اردو ریویو کا دفتر تھا۔ اس کی دیوار جو جامعہ کی طرف تھی اس پہ خوش خط یہ دعا لکھوادی۔

"اے ہمارے قادرِ مطلق خدا! تو ہمیں عالم باعمل بنا دے۔
اے ہمارے سچے بادشاہ تو ہمیں دُنیا کے تمام فکروں سے
فارغ البال کر کے صرف اپنی عبادت اور اپنی مخلوق کی خدمت
کے لئے وقف فرمادے۔ آمین۔ ہم ہیں تیرے عاجز بندے
اساتذہ و طلباء مدرسہ احمدیہ قادیان

شروع شروع میں اسمبلی میں آپ ایک تحریر بھی پڑھتے جو خدا سے التجا تھی۔

آپ کی حُسنِ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ مدرسہ احمدیّہ کا ایک طالب علم بھی مصری صاحب کے دام میں گرفتار نہ ہو سکا۔ آپ بعض نئے اساتذہ کے پیرڈ میں کلاس کے کبھی باہر کھڑے ہو کر کبھی طلباء

کے ساتھ کمرہ میں بیٹھ کر ایک طرف طلباء کو محتاط کرتے تو دوسری طرف تدریس کا بھی جائزہ لیتے۔

اندازِ تدریس

جن لوگوں نے آپ سے پڑھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ آپ کا اندازِ تدریس ایسا تھا۔ کہ مشکل سے مشکل علوم اور مسائل کلاس میں ہی یاد ہو جاتے۔ ایک بار حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جامعہ کے ایک ہونہار طالب علم اور مشہور مناظر مولانا محمد سلیم صاحب سے پوچھا۔ حضرت میر صاحب کیسا پڑھاتے ہیں تو بے ساختہ مولانا محمد سلیم نے کہا:۔

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ سبق میں جان ڈال دیتے ہیں۔"

قادر الکلام مقرر

حضرت میر صاحب خود ایک قادر الکلام مقرر تھے۔ وہ مدّ مقابل کو اس طرح گھیرتے تھے جس طرح شکاری شکار کو گھیرتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے جا کر بیان کروں گا۔ آپ طلباء سے تقریر کی مشق کرواتے۔ جب کبھی کوئی جماعت یا نظام آپ سے کسی گاؤں میں جلسہ کی شمولیت

کے لئے کہتا۔ آپ اونچی کلاس کے طلباء کو ساتھ لے جاتے۔ مدرسہ احمدیہ کے ایک استاذ بیان کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"جو قوم سٹیج پر قابض ہو جاتی ہے" وہ دُنیا میں غلبہ پاتی ہے۔" (الفرقان حضرت میر محمد اسحٰق نمبر اکتوبر ۱۹۶۱ء)

مسجد اقصیٰ میں بھی کبھی جلسہ کر کے طلباء کو تقریر کی مشق کرواتے۔ راقم الحروف نے آپ کے مناظرے تو نہیں سُنے لیکن اپنے گاؤں کاہنووان میں آپ کو صدر مناظرہ کی صورت میں دیکھا۔ آپ اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اور آپ کی تھپکی اُن کے لئے مہمیز کا کام دیتی۔

صُبح کی نماز کے لئے آپ اکثر خود ہوسٹل میں تشریف لا کر طلباء کو نماز کے لئے جگاتے۔ جمعرات کے روز ہوسٹل میں کسی مشکل آیت کا حل طلباء کو بتاتے۔ آپ صُبح کی نماز کے بعد مسجد اقصیٰ میں حدیث کا درس دیتے تو واپسی پر جب طلباء قطار میں ہوتے تو ان سے دریافت فرماتے آج مَیں نے کیا درس دیا ہے۔

شفیق استاذ

طلباء کے لئے آپ بمنزلہ شفیق باپ کے تھے۔ وہ طلباء کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ ایک بار مدرسہ احمدیہ کا ایک طالب علم

بیمار ہو گیا۔ اُس کے مُنہ پر بہت ورم تھا۔ حضرت میر صاحب اپنے ہاتھ میں دُودھ کا پیالہ اور اس کے لئے رس لے کر آئے۔

سردیوں میں خیال رکھتے کہ طلباء کے پاس سردی سے بچاؤ کے لئے مناسب انتظام ہے یا نہیں۔

آپ کے عہد میں کوئی غریب طالب علم اس لئے تعلیم سے محروم نہ ہو سکتا تھا کہ فیس ادا نہیں کر سکتا یا کتابیں خرید نہیں سکتا۔ کئی غریب طالب علموں کو اپنے گھر میں اپنی اولاد کی طرح رکھ کر پڑھایا۔ اور آج وہ سلسلہ کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولوی عبداللطیف صاحب ستکوہی سیکرٹری اصلاح وارشاد جماعت لاہور نے مجھے بتلایا کہ ایک بار مالی تنگی کی وجہ سے میں مدرسہ احمدیہ سے چلا گیا۔ حضرت میر صاحب کو علم ہُوا تو میرے گاؤں ستکوہا میں آدمی بھیجا کہ اُسے کہو وہ واپس آجائے مَیں سارا انتظام کروں گا۔

رحم اور اُصول

تعلیمی ادارہ میں آپ ڈسپلن کا بھی بہت خیال رکھتے جس پر ہمیشہ ترحّم غالب رہتا۔ مکرم عبداللطیف صاحب ستکوہی کہتے ہیں ایک بار میری اتنی غیر حاضریاں ہوئیں کہ مجھے چودہ آنے جرمانہ ہُوا۔ آپ نے مجھے

بتلایا اور ادا نہ کر سکنے کا سبب دریافت فرمایا۔ مَیں نے عرض کی میرے پاس ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں۔ آپ نے اپنی جیب سے یہ رقم نکال، میرے ہاتھ میں تھما دی۔ پھر فرمایا لاؤ اب جرمانہ ادا کرو۔

اسی طرح مکرم عبداللطیف صاحب ستکوہی بیان کرتے ہیں۔ ایک دن مَیں آپ کے گھر گیا تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے میرے لئے انڈے فرائی کئے روٹی لائے کہ لو بیٹا کھاؤ۔ مَیں جھجکتا تھا۔ لجاتا تھا۔ کہ حضرت میر صاحب فرمانے لگے بیٹا کھالو۔ تمہاری امّی نے تمہارے لئے یہ خاص طور پر بنائے ہیں۔

مدرسہ احمدیہ میں جب تک کوئی طالب علم پڑھتا اُس سے بچّوں اور طلباء جیسا سلوک فرماتے۔ جس دن وہ مدرسہ احمدیہ سے فارغ ہو کر جامعہ میں چلا جاتا۔ وہ ملتا تو عزّت و احترام کے الفاظ اس کے لئے استعمال فرماتے۔

الغرض مدرسہ احمدیّہ کا وہ زمانہ جب آپ اس کے ہیڈ ماسٹر تھے مدرسہ احمدیہ کا مثالی اور سنہری دَور تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے رؤیا اور الہام میں آپ کا ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو آپ کی شادی کے متعلّق رؤیا میں بتلایا گیا کہ پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسّرنا القرآن کی صاحبزادی

صالحہ بیگم صاحبہ سے آپ کا عقد ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس رؤیا کے مطابق ۱۹۰۶ء میں آپ کا نکاح مسجد اقصٰی میں حضرت مولانا نور الدین صاحب نے پڑھا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بھی تشریف فرما تھے۔ اس موقعہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک نظم بھی لکھی جو کلام محمود میں درج ہے۔

ایک الہام جو آپ کی بیماری میں دُعا کرنے پر ہُوا وہ یہ تھا۔

سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَّبِّ الرَّحِیْم

آپ فرمایا کرتے تھے یہ الہام بھی میرے متعلّق ہے

"خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا"

چنانچہ آپ پر پانچ بڑی بیماریاں آئیں جن سے آپ کو اللہ نے وعدہ کے مطابق شفا دی۔

مقدس گھرانہ

چونکہ آپ کو ایک لمبا عرصہ حضرت مسیح موعودؑ کے "الدار" میں رہنے کا شرف نصیب ہُوا۔ آپ کی پیدائش پر آپ کی والدہ آپ کو دُودھ نہ پلا سکتی تھیں۔ اس لئے بڑی بہن حضرت امّاں جان نے آپ کو اپنا دودھ پلایا۔ اس لئے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

رضاعی بیٹے بھی تھے۔ اس لئے اس مقدس گھرانہ میں آپ حضرت مسیح موعودؑ کے بیٹوں کی ہی طرح رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ذہانت عطا کی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل سے آپ اور حضرت مصلح موعود اکٹھے پڑھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے ایک روز آپ کی ذہانت اور حذاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کوئی قابل سے قابل آدمی بھی اگر قرآنِ کریم پر اعتراض کرے تو مَیں اسے دو منٹ میں خاموش کر سکتا ہوں مگر میر محمد اسحٰق صاحب جب مجلس میں بیٹھے ہوں تو مَیں بہت احتیاط کرتا ہوں۔" (سیرت حضرت امّ المومنین جلد ۲ صفحہ ۳۶۵)

اس گھرانہ کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ میر صاحب میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم۔ علم قرآن و حدیث۔ مسکینوں کی خبر گیری۔ سادگی۔ انکساری اور بے نفسی کے وصف بہت نمایاں تھے۔

آپ کا لباس اور حلیہ

آپ کا لباس بہت سادہ تھا۔ شرعی شلوار، قمیض گرمیوں میں زین کا کوٹ اور سردیوں میں مَیں نے اپنی ہوش میں صرف ایک بار کوٹ بدلا ہُوا دیکھا۔ سر پر ٹوپی ہوتی۔ پاؤں میں گرگابی۔

آپ کپڑے اکثر مرزا مہتاب بیگ صاحب سے سلواتے۔ جن کی دوکان بکڈپو کے قریب احمدیہ چوک میں تھی۔ مرزا مہتاب بیگ صاحب کے لڑکے عبداللطیف صاحب بیان کرتے ہیں کہ میر صاحب کئی بار صُبح صُبح تشریف لاتے۔ شلوار قمیض مجھے دیتے کہ یہ کئی جگہ سے پھٹی ہوئی ہے۔ اسے سی دو۔ چنانچہ مَیں تعمیل کرتا۔ ایک دفعہ ایسا ہُوا کہ شلوار اِس طرح پھٹ چکی تھی کہ اس کو سیدھا سِیا جانا ممکن نہ تھا۔ مَیں نے عرض کیا۔ حضور! پیوند کے بغیر اس کی سلائی ممکن نہیں۔ فرمایا۔ بے شک پیوند لگا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پیوند لگے کپڑے پہن لیا کرتے تھے۔

بچپن میں آپ کا جسم دُبلا پتلا تھا۔ آخر میں آپ کا جسم بھاری ہو گیا تھا۔ چہرہ بہت بارُعب تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے۔ آپ کی چال میں بہت وقار ہوتا۔ مَیں نے ایک موقعہ پر دیکھا یک دم بادل اُٹھا اور بارش شروع ہو گئی۔ آپ بارش میں یوں چلے آرہے ہیں جیسے کوہِ وقار۔ آپ فرمایا کرتے تھے جب مسجد کی طرف آؤ تو سکینت اور وقار سے آؤ۔

فتنوں کی سرکوبی

آپ بہت چھوٹی عمر میں تھے کہ آپ کو اور

آپ کے بڑے بھائی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کو آپ کے والد محترم حضرت میر ناصر نواب صاحب مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس لے گئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب حضرت میر ناصر نواب صاحب کے استاذ بھی تھے۔ انہوں نے میر محمد اسمٰعیل صاحب کے سَر پر ہاتھ پھیر کر کہا:۔

برائے کردن تنبیہ فسّاق
دوبارہ آمد اسمٰعیل و اسحٰق

حضرت میر صاحب جہاں یتیموں، مسکینوں اور ناداروں کے سرپرست تھے وہاں آپ غلط کاروں سے شیرِ نر کی طرح نپٹتے تھے۔ آپ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے مکمّل مصداق تھے۔ مصری کے فتنہ کے ایّام میں مختلف محلہ جات میں جلسوں میں آپ کی تقاریر مَیں نے خود سُنیں۔ خلافت کی برکات پر آپ کے دلائل اب تک ذہن نشین ہیں۔ جلسوں میں طلباء کو آپ ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ اللہ کا فضل اور ان بزرگوں کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ مصری صاحب جو جماعت میں عزلِ خلفاء کا مسلک لے کر اُٹھا تھا ناکام و نامراد رہے۔

باطل اور غلط عقائد کے خلاف آپ شمشیر برہنہ تھے۔ حضرت

خلیفۃ المسیح اوّل کے عہدِ خلافت میں جب کچھ لوگ انجمن کو خلیفہ پر حاوی کرنا چاہتے تھے اور اندر اندر یہ پھوڑہ پک رہا تھا حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے جرأت کی اور اس پھوڑے کو نشتر دکھائی۔ انہوں نے انجمن اور خلافت کے بارہ میں چند سوالات لکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کو دیئے۔ جس سے ابتداء میں ہی اس فتنہ کا قلع قمع ہوگیا۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے اکتیس جنوری ۱۹۰۹ء کو نمائندگان جماعت کو بُلایا اور خلافت کی اہمیت اور عظمت دلوں میں بٹھائی۔ اور فتنہ گروں کو سخت تنبیہہ فرمائی۔

عجیب کفالت

حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے پیچھے مال چھوڑے وہ اُس کے ورثاء کا ہے اور جس کا قرض کوئی ادا کرنے والا نہیں۔ مَیں ادا کروں گا۔ کتنی رحمت اور کیا عجیب کفالت ہے۔ حضرت میر صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے عاشقِ صادق تھے۔ اپنے آقا کے قدموں پر قدم رکھتے۔

قادیان میں ایک شخص وزیر خان صاحب وفات پا گئے۔ وہ موصی تھے

اُن کے لڑکے بقایا ادا نہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت میر صاحب کو اس امر کا علم ہُوا تو آپ نے فرمایا اس کا بقایا مَیں ادا کروں گا۔ یہ آپ کی دردمندی اور غریب پروری کی ایک مثال تھی۔

تحریر کے دھنی

حضرت میر صاحب صرف تقریر میں ہی کمال نہ رکھتے تھے۔ آپ کا طرزِ تحریر اتنا مؤثر، محتاط اور دلنشین تھا کہ پڑھنے والا عش عش کر اُٹھتا۔ آپ کی دو تحریریں مَیں آئندہ اوراق میں پیش کروں گا۔ اُس سے آپ کے افکار، دین اور تاثیر کا اندازہ ہو سکے۔ یہاں آپ کا ایک چھوٹا سا اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے الفضل کے سیرت نمبر ۱۹۳۲ء میں لکھا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ہم چونکہ اس آخری زمانہ میں ہیں اور ایسے وقت میں ہیں کہ سب نبیوں کی قومیں ایک سٹیج پر جمع ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے وہ انسان نمونہ بنایا گیا۔ جو سب کا خاتم یعنی سب نبیوں کا جامع ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ فرمایا۔ پس آؤ ہم سب اس کی زندگی میں اولاد کی محبت کے جذبہ کو کام

کرتے دیکھیں۔ اور اس پر عمل کر کے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو دُنیا کے لئے بابرکت بنائیں۔"

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے بیٹے مبارک احمد صاحب جوانی میں فوت ہو گئے تھے۔ وہ بہت ہونہار تھے۔ اُن کی بیماری پر دُعا کے لئے حضرت میر صاحب کی تحریر اتنی پُر تاثیر تھی کہ آج تک قلب و ذہن پر اس کے نقوش باقی ہیں۔

اپنی بچی سیّدہ بیگم کو اس کے عقد کے وقت جو خط لکھا اس کا ہر لفظ حضرت میر صاحب کی تحریر و جذبات کا شاہکار ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تم کو چاہیئے کہ اس خط کو پڑھو۔ اور اپنے پیدا کرنے والے سے جو تمہارے باپ سے سنکھ در سنکھ در سنکھ گُنے زیادہ تمہارا ہمدرد ہے۔ رو رو کر دُعا مانگو۔ اور پھر اپنے دل کو ٹٹولو۔ اور جو عزم ہو اس کے مطابق کرو۔

اے میرے قادرِ مطلق خدا مَیں مجازی طور پہ اور رسمی طور پہ اس لڑکی سیّدہ بیگم کا باپ ہوں۔ مگر اے سچے بادشاہ حقیقی خیر خواہ۔ اور اصلی باپ یعنی اس کو وجود میں لانے والا تو خود ہے۔ پس جو ہمدردی اس مخلوق سے تجھ

کو ہوسکتی ہے وہ مجھے کہاں ۔ اے ہمارے آسمانی باپ ہمارے علوم اور ہمارے تجارب سب ناقص ہیں ۔ اس لئے میں اپنے پدری ہمدردی کے جوش میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ اس پیش آمدہ معاملہ میں تُو اپنے علم اور اپنی قدرت کے ذریعہ ایسا کرشمہ دکھا کہ اگر تیرے نزدیک یہ تعلق ہماری اس ناچیز بچی کے لئے دین و دُنیا میں بہتر ہو تو یہ عمل میں آوے ۔ لیکن اگر تیرے علم میں یہ اس کے لئے مفید نہیں تو اے ہماری ناتجربہ کار لڑکی کے حقیقی باپ تُو اپنی لڑکی کو اس فتنہ سے بچا لے ۔ اے میرے قادر مطلق خدا میں محض لاشئی ہستی ہوں ۔ بالخصوص ان ایام میں بستر مرگ نہیں بسترِ مرض پر ضرور دراز ہوں ۔ اس لئے تو اس معاملہ کو کلیتہً اپنے ہاتھ میں لے لے ۔ اور وہی عمل میں لا جو تیرے نزدیک بابرکت ہو ۔ اے ہمارے خدا ۔ ہماری یہ لڑکی قوموں کی ماں ہو ۔ نسلیں اس سے پیدا ہوں ۔ وہ دین و دُنیا کی برکات کی جامع ہو ۔ وہ اپنی دادی خدیجہ کی خوبیوں کی وارث ہو ۔ وہ اپنی پھوپھی نصرت جہاں بیگم کی برکات کی حامل ہو ۔ ہم نے اپنا سارا کاروبار تیرے سپرد کر دیا ہے ۔

کیونکہ تیرے سوا ہمارا اور کون ہے ۔ تُو ہی تو ہے جس کے مُنہ کو دیکھ کر ہم زندہ ہیں ۔ تیری پاک ذات کی قسم تُو ہی ہمارا سہارا ہے ۔ تیری توجہ ہو تو ہم سب کچھ ہیں اور تیری توجہ ذرا بھی بدلے تو ہم کچھ بھی نہیں ۔ اس لئے

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

آپ کی تصنیفات

آپ نے بعض نہایت اہم موضوعات پر قریبًا بیس[2] کتب تصنیف فرمائیں ۔ ان میں تعلیم و تربیت دونوں پہلو موجود ۔ کتب کے نام یہ ہیں :-

خصوصیاتِ اسلام ۔ ادعیۃ القرآن ۔ چہل احادیث ۔ اسلامی اخلاق ندائے حق ۔ رسالہ کسرِ صلیب ۔ رسالۃ النحو ۔ خلاصۃ النحو ۔ ختم نبوت گوشت خوری ۔ ردّ تناسخ ۔ نقشہ وفاتِ مسیح ۔ خمسین احادیث مترجم دلائل ہستی باری تعالےٰ ۔ انسان کامل ۔ مباحثہ سرگودھا ۔ ازدواج مباحثہ بمبئی ۔ اسلام اور بدھ مذہب ۔ حدوث رُوح و مادّہ ۔

آپ عمومًا تقریر فی البدیہہ کرتے ۔ کوئی نوٹ نہیں لکھتے تھے ۔

احباب کو یاد ہوگا کہ خلافت جوبلی کے سال جب حضور کی خدمت میں
تین لاکھ روپیہ کی رقم اور ایڈریس پیش کئے گئے تو آپ نے اجازت لے کر
فی البدیہہ برجستہ تقریر کی تھی کہ لوگ عش عش کر اُٹھے۔ آپ نے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کو اس وقت پیش فرما کر
استدلال کیا تھا۔ ؎

دے اس کو عمر و دولت ۔ کر دُور ہر اندھیرا

بعض اوقات آپ لکھ کر بھی مضمون پڑھتے۔ خاکسار نے
سیرت النبیؐ کے جلسوں میں آپ کے مضامین سُنے ہیں۔ آپ
کی تقریر دلنشین۔ طرزِ استدلال ٹھوس اور قطعی ہوتا۔ آواز بھی
ماشاء اللہ بہت پُر رعب پائی تھی۔ جس سٹیج پر آپ تشریف فرما ہوتے
وہ بھری بھری معلوم ہوتی۔

اپریل ۱۹۴۰ء کی بیماری

آپ پر کئی بار بیماری کا حملہ ہوا۔ اپریل ۱۹۴۰ء میں آپ کے
ناک کے دائیں نتھنے سے نیلے پانی کے قطرے گرنے لگے اور آنکھوں
میں سخت آشوب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ آپ کو لاہور ڈاکٹری معائنہ
کے لئے لے گئے تو آپ نے اس وقت ایک وصیت تحریر فرمائی جو

درج ذیل ہے:-

آپ کی وصیّت

"الحمد للہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں اَشْھَدُ
اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ مجھے دلی یقین کے
ساتھ اس امر کا اقرار ہے کہ اس وقت مذہب اسلام موجب
نجات ہے۔ میں چھ ارکان پر ایمان رکھتا ہوں۔ پانچ بنائے
اسلام کا قائل ہوں۔ میں سُنّی ہوں۔ شیعہ یا خوارج میں سے
نہیں۔ غیر مقلد ہوں۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں۔ گو
چاروں کا خاکِ پا ہوں۔ اوّل قرآن پھر تواتر پھر حدیث کو
حجت سمجھتا ہوں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے
تمام دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں۔ مبائع ہوں۔ غیر مبائع نہیں۔
نور الدین کو ابوبکر کا، موجودہ امام جماعت احمدیہ کو عمر کا مثیل سمجھتا ہوں۔
مجھے یقین ہے ہماری جماعت تبھی صحیح معنوں میں احمدی رہ سکتی
ہے جبکہ وہ ایک واجب الاطاعت امام کے ہاتھ پر بیعت
کرے۔ خلیفۂ وقت کے ماتحت ایک انجمن انتظامی اور مالی

معاملات کے لئے ہونی چاہیئے۔ قادیان کو خدا کے رسول
کا پایۂ تخت اور احمدیت کا ابدی مرکز یقین کرتا ہوں۔
بہشتی مقبرہ کو بغیر کسی تاویل کے یقینی بہشتیوں کا مدفن
سمجھتا ہوں۔ میں موصی ہوں۔ تمام حساب صاف ہے۔ میرے
پچھتر روپے سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل کے پاس جمع ہیں۔ اگر میں
یہاں فوت ہو جاؤں تو میری نعش ضرور اُس پاک مقام پر
پہنچا دی جائے۔ جسے بہشتی مقبرہ کہتے ہیں۔ اور یہی میری
واحد خواہش ہے۔ اے اللہ تو میرا انجام بخیر فرما۔

سیّد محمد اسحٰق مسافر۔ لاہور

نیچے ایک نوٹ درج ہے:۔

"اگر میں فوت ہو جاؤں تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ
اور حضرت امّ المومنین سلمہا اللہ کو میرا اسلام پہنچا دیں"۔

لاہور ڈاکٹری معائنہ کے بعد آپ کو قادیان لے آئے۔ ڈاکٹروں نے
آپ کو مکمل آرام (BED REST) کے لئے کہا۔ اور پڑھنا لکھنا منع
کر دیا۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب آپ کے علاج
کی نگرانی کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کچھ صحت دی تو حضرت میر
صاحب نے پھر مسجد اقصیٰ میں حدیث کا درس شروع فرمایا۔ اس موقع

پر آپ نے فرمایا:۔

"مجھے خدا کی بزرگ کتاب قرآن مجید کے بعد حضور رسول
مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے عشق ہے۔ اور
سرورِ کائنات کا کلام میرے لئے بطورِ غذا کے ہے کہ
جس طرح روزانہ اچھی غذا ملنے کے بغیر انسان زندہ نہیں
رہ سکتا۔ اسی طرح بغیر سیّد کونین کے کلام کے ایک دو ورقہ
پڑھنے کے میری طبیعت بے چین رہتی ہے۔ جب کبھی میری
طبیعت گھبراتی ہے تو بجائے اس کے کہ میں باہر سیر کے لئے
کسی باغ کی طرف نکل جاؤں۔ میں بخاری یا حدیث کی کوئی
اور کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں۔ اور مجھے اپنے پیارے
آقا کے کلام کو پڑھ کر خدا کی قسم وہی تفریح حاصل ہوتی
ہے۔ جو ایک غمزدہ گھر میں بند رہنے والے کو کسی خوشبودار
پھولوں والے باغ میں سیر کر کے ہو سکتی ہے۔ اور میری تو
یہ حالت ہے کہ

باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا
میرا بُستان کلامِ احمد ہے

اور واقعہ میں میرے آقا کا کلام ایسا پاکیزہ، ایسا پیارا

ایسا دلفریب اور ایسا دلرُبا ہے کہ کاش دُنیا اسے پڑھے اور پھر اِسے معلوم ہو کہ میرے بادشاہ کا مُنہ ایسے پھول برساتا تھا۔ کہ جن کی خوشبو اگر ایک دفعہ کوئی سونگھ لے۔ پھر اُسے دُنیا کی کوئی خوشبو۔ کوئی عطر، اور کوئی پھول اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ اور میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ لوگ میرے آقاؐ کا کلام پڑھیں اور سُنیں اس لئے مَیں بخاری شریف کی حدیثیں لوگوں کو سُناتا رہتا ہوں۔"

آپ کا درسِ حدیث

راقم الحروف کی عمر اس وقت تریسٹھ سے متجاوز ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے بالواسطہ شاگردوں، اجلّ علماء سے حدیث پڑھی۔ مبلّغین کلاس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے کچھ طلباء کو حدیث اور فقہ کی خصوصی تعلیم کے لئے لاہور اور دہلی بھجوایا۔ یہ شرط تھی کہ ہم نے حدیث کے اُس استاذ سے پڑھنا ہے جس نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔ رفیق مولانا محمد قاسم نانوتوی سے حدیث پڑھی ہو۔ ہمارے ایک استاذ وہ تھے جنہوں نے بقول آپ کے چالیس سال تک دیوبند میں حدیث پڑھائی۔ ان کے علاوہ اور کئی اجلّ اساتذہ

سے بھی تحصیل علم کیا۔

خدا کی قسم مَیں نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب سے بہتر حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔ وہ اس طرح حدیث پڑھاتے تھے کہ پڑھنے اور سُننے والے کے دل میں عشقِ رسولؐ پیدا ہوجاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام نامی زبان پر آتا تو آواز گلوگیر ہوجاتی۔ ذکرِ رسول پر خود بھی آنسوؤں پر ضبط نہ کرسکتے۔ اور دوسروں کو بھی رُلاتے۔ اُن کے حدیث کے درس کا کمال یہ تھا کہ یوں معلوم ہوتا کہ آپ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس میں لے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وجود نے اُس گھرانہ میں پرورش پائی تھی۔ عشقِ رسولؐ جن کی رُوح کی غذا تھی۔

بخدا وہ سچّے عاشقِ رسول تھے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں دلوں میں آپ نے عشق رسولؐ کی آگ جلائی۔

شفیق استاذ! ؎

تجھ کو اِس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی

انوکھا باغ

دارالانوار میں ایک روز دو ناظر اپنے اپنے باغوں کے درختوں کا

ذکر کر رہے تھے۔ کسی نے اپنے باغ کے آموں کا ذکر کیا۔ اور کسی نے امرود کے درختوں کے لگانے کا ذکر کیا۔ یہ ذکر ہو رہا تھا کہ عین اس وقت دارالشیوخ کے چند یتیم و مسکین بچے جن میں سے بعض نابینا بھی تھے۔ سامنے سڑک سے گذرے۔ حضرت میر صاحب نے ان بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

میں نے تو یہ پودے لگائے ہیں۔ خدا ان کو سرسبز و شاداب رکھے۔ اور پروان چڑھائے۔

نجانے اب ان دونوں ناظروں کے باغوں میں جو پودے انہوں نے لگائے تھے وہ محفوظ بھی ہیں یا نہیں۔ لیکن جو پودے حضرت میر صاحب نے لگائے وُہ پھل پھول رہے ہیں اور باغ احمدیّت کی زینت کا باعث ہیں۔

حضرت میر صاحب ان یتیم بچّوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ عید کے روز اُن کی عیدی کے لئے نئے سکّے منگواتے۔ خود انہیں اپنے ہاتھ سے عیدی تقسیم فرماتے۔

آپ کو معلوم ہُوا کہ لاہور میں کوئی ڈاکٹر باہر سے آیا ہے وہ پلاسٹک سرجری سے چہرہ کو سنوار دیتا ہے۔ آپ کے زیرِ تربیت بچّوں میں سے ایک ایسا بچہ بھی تھا جس کے مُنہ پر چیچک کے داغ تھے۔ ناک

بہت اُٹھا ہُوا تھا۔ دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے کسی کے ذریعہ دریافت فرمایا کہ کیا اس بچّے کے چہرہ کے خدّوخال سنوارے جا سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے شہادت اور اس کے ملحقہ انگلی کو جوڑا اور فرمایا:۔

اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ فِی الْجَنَّۃِ۔

مَیں اور یتیم کی پرورش کرنے والا ان دو انگلیوں کی مانند جنّت میں ہوں گے۔

اور حضرت میر صاحب نے تو بے شمار یتیموں کو سہارا دے کر دُنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ اس لئے یقیناً آپ صرف جنّت ہی نہیں بلکہ جنّت کے اعلیٰ درجات میں اپنے پروردگار کی ازلی ابدی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہوں گے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث ہے:۔

اَبْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَائِکُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ

لوگو! مجھے اپنے ضعیف و کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ کہ تمہیں ان ضعفاء کے سبب خدا رزق عطا کرتا ہے۔

میر صاحب کی شفقتوں کے اکثر مستحق یہی نادار طبقہ تھا۔ وہ اکثر

ان پر شفقتیں کرتے اور ان سے پیار کرتے دکھائی دیتے تھے۔

قادیان میں ایک نابینا حافظ عبدالعزیز تھے۔ تقسیم ملک کے وقت انہوں نے درویشی کی زندگی اختیار کر لی۔ اور درِ مسیحا پر دھونی رمالی۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ یوم التبلیغ کے موقع پر حضرت میر صاحب مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ طلباء اور دارالشیوخ کے یتامیٰ اور مساکین کے ہمراہ موضع ننگل باغباناں کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے سب ساتھیوں کے لئے چنے بھنوا کر ان میں شکر ڈلوائی اور پلیٹوں میں ڈال کر تقسیم کرنے شروع کئے۔ میں بھی موجود تھا۔ لیکن ذرا علیحدہ ہٹ کر کھڑا تھا کیونکہ میں ننگل کی ڈھاب کے گندے پانی اور کیچڑ میں گر پڑا تھا۔ اور میرے کپڑے خراب اور بدبودار ہوگئے تھے۔ اس لئے طبعی طور پر دوسرے احباب مجھ سے نفرت محسوس کر رہے تھے۔ حضرت میر صاحب نے میری اس حالت کو دیکھا تو چنوں کی ایک پلیٹ اٹھا کر مجھے ساتھ لیا۔ اور ایک طرف بیٹھ کر فرمانے لگے کہ عبدالعزیز تمہیں کوئی اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا۔ آؤ ہم دونوں مل کر کھائیں۔

یہ واقعہ پڑھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظام الدین صاحب والا واقعہ یاد آیا جب اس غریب متروک کو حضور نے پیالہ ہاتھ میں لے کر

[بُلا]یا تھا۔ آؤ میاں نظام دین ہم اس پیالہ میں اکٹھے کھائیں اور [م]سیح پاک علیہ السلام کے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زاہر رضی اللہ عنہ صحابی سے [پی]ار یاد آگیا کہ پسینہ سے شرابور، بدوی صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ [رک]ھ دیئے تھے اور زاہر رضی اللہ عنہ پیار سے اپنا بدن حضور سے مَس کرنے [ل]گا۔

ایک موقعہ پر سردیوں کے موسم میں غلّہ کمیاب ہوگیا۔ دارالشیوخ [م]یں کوئی خوردنی جنس نہ تھی۔ حضرت میر صاحب کو علم ہُوا کہ آج صبح [ا]ن مسکینوں نے ناشتہ نہیں کیا۔ آپ صاحبِ فراش تھے۔ تانگہ منگوایا۔ [د]و آدمیوں کے سہارے اُس پر سوار ہوئے۔ ایک محلّہ میں گئے۔ ان [ن]اداروں کے لئے تحریک فرمائی۔ دو تین محلّوں سے ہی کافی مقدار میں [خ]وردنی اجناس اور نقدی ان ناداروں کے لئے اکٹھی ہوگئی۔ آپ [کے] دوستوں نے عرض کی۔ حضرت میر صاحب آپ بیمار ہیں تکلیف نہ فرمائیں۔ [ہ]م از خود سب کچھ دارالشیوخ میں فراہم کردیں گے۔ آپ نے دیکھا [م]سکینوں کی تکلیف نے کس طرح حضرت میر صاحب کو بے چین کیا کہ اپنی بیماری ہی بھول گئی۔

ایک اور غریب نابینا سے آپ کے سلوک کا ایک واقعہ سُنئیے۔ یہ نابینا روٹی اور برتن میں سالن لئے جا رہا تھا۔ حضرت میر صاحب

کسی شخص سے دوسری طرف مُنہ کرکے باتیں کر رہے تھے کہ وہ نابینا مع سالن کے برتن کے آپ سے ٹکرا گیا۔ سالن آپ کے کپڑوں پر گر گیا جو آپ جُمعہ کے لئے بدل کر آئے تھے۔ آپ کے بیٹے میر محمود احمد نے کہا ابّا آپ کے کپڑے خراب ہو گئے یہ حافظ صاحب آپ سے ٹکرا گئے۔ آپ نے کسی قسم کی خفگی کا اظہار کئے بغیر فرمایا کہ حافظ صاحب جب راستہ پر چلو تو اُونچی آواز سے السلام علیکم کہتے جایا کرو تاکہ دوسروں کو آپ کے گذرنے کا علم ہوتا رہے۔

آپ کی زندگی کا آخری جلسہ

اُوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت میر صاحب اعلیٰ پایہ کے ذہین خطیب تھے۔ طرز استدلال میخ کی طرح قلوب کی زمین میں دھنستا جاتا تھا۔ آواز میں شوکت تھی۔

غالباً ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ پادریوں میں جوالا سنگھ شعلہ جوّالہ سنا ہؤا تھا۔ وہ پرانا گھاگ اور حضرت میر صاحب کا عنفوانِ شباب۔ لیکن میر صاحب کے ساتھ اس کا مقابلہ ہؤا تو وہ میر صاحب کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتا تھا۔

کی پیدائش
۱۸۹۰ء
غلطی
18

قادیان میں جلسے ہوتے تو صدر اجلاس اکثر حضرت میر صاحب ہوتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جس کا راقم الحروف چشم دید گواہ ہے سات مارچ ۱۹۴۴ء کو پنڈت لیکھرام کی پیشگوئی کے بارہ میں مسجد اقصیٰ میں حضرت میر صاحب کی زیرِ صدارت جلسہ ہُوا۔ حضرت میر صاحب نے ہندو بھائیوں کو بھی اس جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی۔ فرمایا امن کا میں ذمّہ دار ہوں۔ چنانچہ پنڈت ترلوک چندر اور بعض ہندو دوست جلسہ میں شرکت کے لئے آ گئے۔

اس جلسہ میں مولانا ابو العطاء صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب نے بھی تقریریں کی۔ حضرت میر صاحب نے اُن کے بعد پنڈت اور شاستری کو موقعہ دیا کہ آپ اس کا جواب دینا چاہیں تو آکر بیان کیجئے۔ لیکن پنڈت جی یہ کہہ کر ٹال گئے کہ ہم اس غرض سے نہیں آئے۔

آخر میں حضرت میر صاحب کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ میں پنڈت جی سے پوچھتا ہوں کہ آپ کافی عرصہ قادیان میں رہے ہیں۔ کیا پنڈت لیکھرام کی یہ پیشگوئی کہ آپ (مرزا صاحب) کی ذرّیت بہت جلد منقطع ہو جائے گی۔ حضرت میر صاحب نے کلیات آریہ مسافر میں سے لیکھرام کی وہ عبارت پڑھی۔ پھر کہا بتایئے لیکھرام کی بات صحیح نکلی یا غلط ثابت ہوئی۔ پنڈت جی

نے بہت لیت ولعل کے بعد کہا۔ آریہ سماجی کہتے ہیں۔ یہ اشتہار پنڈت لیکھرام کا لکھا ہؤا نہیں ہے۔ حضرت میر صاحب نے اس پر فرمایا۔ اوّل تو اس اشتہار کے شروع میں مشہور آریہ لیڈر شردھانند نے لکھا کہ ذیل کے دو۲ اشتہارات پنڈت جی لیکھرام نے اس وقت نکالے تھے جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامی چوچلوں کا ابھی صرف آغاز ہؤا تھا۔ (کلیات آریہ مسافر صـ۴۹۲)

میں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کہ کلیات آریہ صـ۴۹۵ کی پیشگوئی کہ مرزا صاحب کی ذرّیت جلد منقطع ہو جائے گی۔ جھوٹی ثابت ہوئی یا نہیں۔ صاف صاف جواب دیں۔ اس پر پنڈت جی کو اس کے ساتھیوں نے اشارہ کیا اور وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

جب حضرت میر صاحب کلیات آریہ مسافر کی عبارت پڑھ کر ان سے پوچھ رہے تھے کہ بتاؤ یہ بات صحیح نکلی یا غلط تو ہندو دم بخود تھے اور مجمع خوشی اور مسرت کی آوازیں نکال رہا تھا۔ اس پر حضرت میر صاحب نے احمدیوں کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ خدا کا شکر کرو۔ اس کی تسبیحات وردِ زبان بناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حق و صداقت سے نوازا ہے۔

فدائی اور شجاع

حضرت میر صاحب سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ خدا والے سوائے اُس کے کب کسی سے ڈرتے ہیں۔

سترہ جون ۱۹۴۳ء کو موضع بھامڑی میں جلسہ طے پایا۔ حضرت میر صاحب نے مدرسہ احمدیہ کے سب طلباء کو جلسہ میں شرکت کے لئے حکم دیا۔ اُن کے پیچھے آپ تانگہ کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ بھامڑی والے فساد پر تُلے ہوئے تھے۔ تیس چالیس آدمی لاٹھیوں سے مسلّح تھے۔ انہوں نے ہرچووال کے پُل پر لڑکوں کو روک لیا اور کہا بھامڑی نہیں جانے دیں گے۔ ایک لڑکا میر صاحب کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا عرض کیا۔ حضرت میر صاحب آگے بڑھے اور کہا لڑکو! چار چار کی قطار میں خاموش اور امن سے بھامڑی کی طرف چلو۔ حضرت میر صاحب کی آواز میں وہ شوکت اور عزم تھا کہ مخالفین نے راستہ خالی کر دیا۔ اور کہا اچھا چلو بھامڑی جا کر دیکھیں گے۔

وہاں ایک کوٹھے کی چھت پر سائبان کے نیچے جلسہ ہؤا۔ اور ساتھ کے کوٹھے پر اغیار نے شور و غل شروع کر دیا۔ خاکسار ان دنوں جامعہ میں پڑھتا تھا اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جو پرنسپل تھے چھٹی پر تھے اور

قائم مقام پرنسپل مولانا ارجمند خانصاحب تھے۔ خاکسار نے بمنّت ان سے اجازت چاہی اور ہم جامعہ کے چند طلباء بھامڑی روانہ ہو گئے جب خاکسار وہاں پہنچا تو حضرت میر صاحب نے الائچیاں اور کچھ کوزہ مصری بھیجی کہ یہ مُنہ میں رکھ لو اور نیچے چرنی پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دو۔

جب جلسہ ہو گیا اور احمدی قادیان کو جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے تو حاجی صاحب کی حویلی سے سنگ باری شروع ہو گئی۔ اٹھوال و ششکار کے جوان اور جامعہ کے طلباء جواب دینا چاہتے تھے۔ کہ میر صاحب نے حویلی کے سامنے ایک لکیر کھینچ دی کہ کوئی احمدی اس سے آگے نہ بڑھے۔ پتھر برستے تھے اور حضرت میر صاحب سامنے کھڑے تھے۔ بعض زخمی بھی ہوئے۔ لیکن پتھر میر صاحب کے دائیں بائیں سے گذرتے تھے۔ آپ کے جسم کو چھُونے کی اللہ نے کسی کو اجازت نہ دی تھی۔ یہ ہو رہا تھا کہ جلوس کے آخر میں آنے والوں کو اہل دیہہ نے غلط راستہ پر ڈال کر اُن پر حملہ کر دیا۔ جب حویلی کے سامنے کھڑے احمدیوں کو علم ہُوا تو وہ اس طرف دوڑے۔ حضرت میر صاحب نے نہایت پُر شوکت آواز سے کہا کہ رُک جاؤ۔ آگے نہ جاؤ! جامعہ کے ایک طالب علم نے اس پر بھی جب قدم نہ روکے تو

رمایا اب اگر تم نے ایک قدم بھی آگے رکھا تو جماعت سے نکلوا دوں گا۔ اور اس لڑکے کے قدم وہیں رُک گئے۔

بعد میں ایک جلسہ میں جو مسجد اقصیٰ میں ہُوا۔ حضرت میر صاحب نے جامعہ کے اُن لڑکوں کی تعریف بھی فرمائی۔ ہُوا پھر یوں کہ چار پانچ و سکھ اور ہندو اور مُسلم کلہاڑیوں، لاٹھیوں سے مسلح ہو کر احمدیوں ں طرف بڑھے۔ احمدی نیچے راستہ پر جا رہے تھے۔ راستہ کے دونوں رف اونچے خالی کھیت تھے۔ اور حضرت میر صاحب حملہ آوروں کی انب اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ پیچھے نہیں ہٹے بلکہ جان قربان رنے کے لئے تیار تھے۔ نہر کے کنارے آ کر شام کی نماز ادا کی تو پ نے مختصر تقریر فرمائی کہ مَیں آج آپ تینوں لڑکوں کو جو اس ت چھوٹے تھے قربانی کے لئے ساتھ لے آیا تھا۔

اے احمدیت کے فدائی تجھ پر خدا کی ہزار رحمتیں کہ سیرت کے پہلو میں آپ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قدم رکھتے تھے۔

سیح پاک سے محبّت

بالآخر پولیس نے مظلوم احمدیوں پر مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ ضلع

گورداسپور کی عدالت میں تھا۔ حضرت میر صاحب پر بھی نالش تھی۔ حضرت میر صاحب کو عدالت کرسی دیتی تھی۔ لیکن آپ عدالت میں آتے تو کچھ دیر ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو جاتے۔ تمام احمدی بھی احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ میر صاحب کٹہرے سے باہر آتے کرسی پر تشریف رکھتے تو دوست بیٹھ جاتے۔ ایک روز مرزا عبدالحق صاحب نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ چشم پُرآب ہو گئے فرمانے لگے کہ آتمارام مجسٹریٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالت میں کھڑا رہنے پر مجبور کیا۔ اس لئے جب کبھی مجھے عدالت میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یاد میں چند منٹ میں بھی اسی طرح کھڑا رہتا ہوں۔

حضرت میر صاحب کے صفائی کے گواہ مولوی فرزند علی خانصاحب جو ناظر بیت المال تھے، عدالت میں پیش ہوئے۔ آپ حکومت کے ایک معزز عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ انہوں نے اپنی گواہی میں حضرت میر صاحب کے بارہ میں کہا۔

"آپ ایک نہایت معزز سیّد خاندان سے ہیں۔ عالمِ قرآن و حدیث ہیں۔"

آپ کی شخصیت کے بعض اور پہلو اور صفات بھی بیان کیں۔ مکرم

مرزا عبدالحق صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت میر صاحب اس وقت میرے پاس ہی کُرسی پر بیٹھے تھے۔ محترم مولوی فرزند علی صاحب یہ بیان فرما رہے تھے تو حضرت میر صاحب کے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ نے رومال آنکھوں پہ رکھ لیا۔ اور مجھے فرمانے لگے۔ مرزا صاحب انسان ان چیزوں سے بخشا نہیں جاتا۔ مومن اللہ کے فضل سے بخشا جاتا ہے۔ اللہ مجھے معاف فرمائے۔

قادیان اور بیرونِ قادیان کا ہر احمدی آپ سے عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن حضرت میر صاحب اپنے لئے کسی عزت کے خواہاں نہ تھے۔ ایک بار ایک شخص نے مصافحہ کرکے آپ کا ہاتھ چُومنا چاہا۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا میاں ایسا نہیں کیا کرتے۔

بےنفس قانع درویش

ایک بار سیالکوٹ کے ایک معزز زمیندار لنگرخانہ آئے۔ انہوں نے شکایت کی کہ مجھے بھوک لگی ہے اور کھانا ختم ہے۔ آپ اُن کے ساتھ لنگرخانہ تشریف لے گئے۔ کھانے کی میز پر کچھ بچے کچھے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ حضرت میر صاحب نے فرمایا چوہدری صاحب کھانا تو موجود ہے۔ آیئے مَیں اور آپ دونوں کھائیں۔ آپ نے بعض ٹکڑے

راستہ میں ایک گاؤں پڑتا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت میر صاحب سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ واپسی پر ہمارے گاؤں بھی تقریر فرمائیں۔ آپ حسبِ وعدہ اس گاؤں بھی تشریف لے گئے اور سادگی اور ہاتھ سے کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ تقریر کے بعد گاؤں والوں نے دو اڑھائی صد آدمیوں کا کھانا تیار کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی ہمارے پاس اتنے آدمی نہیں کہ کھانا کھلا سکیں۔ آپ چند آدمیوں کو اس غرض کے لئے مقرر فرما دیں تو کام میں سہولت رہے گی۔ جو اساتذہ ساتھ تھے انہوں نے چند لڑکوں کو گاؤں والوں کی مدد کے لئے کہا۔ حضرت میر صاحب نے یہ دیکھا تو اپنی جگہ سے اُٹھے اور فرمایا میں نے ابھی کہا تھا کہ ہر شخص کو اپنے ہاتھ سے کام کرنا چاہیئے۔ اور کسی کام کو عار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ نصیحت اسی وقت کارگر ہوتی ہے جب کہنے والا اس پر خود بھی عمل کرکے دکھائے۔ لہٰذا اس وقت طلباء کو کھانا اساتذہ کھلائیں گے اور میں بھی اس کام میں ان کا شریک ہوں گا۔ سب طلباء کو بٹھا دیا گیا۔ حضرت میر صاحب نے روٹیاں اُٹھا کر طلباء میں تقسیم کرنا شروع کر دیں اور اساتذہ نے سالن کی پلیٹیں رکھنا شروع کیں اور پانی پلانے کا کام سنبھالا۔

اٹھائے اور پہلے خود کھانا شروع کیا۔ سالن موجود تھا۔ حضرت میر صاحب کو دیکھا تو چوہدری صاحب نے بھی ٹکڑے کھانے شروع کر دیئے۔ لنگر خانہ کے ٹکڑے کھا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کا لطف اٹھایا۔

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِی
وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامُ الْاَهَالِی

کہ دسترخوانوں کے بچے کھچے ٹکڑے میری خوراک تھی اور آج کئی خاندان میرے دسترخوان پر کھانا کھا رہے ہیں۔

جامعہ کے استاذ حضرت مولانا ارجمند خانصاحب کے میر صاحب سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ آپ مدرسہ اور افتاء میں باہم رفیق تھے۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ ایک روز میں نے معیشت کی تنگی کی کچھ شکایت کی میر صاحب نے فرمایا مولوی صاحب دو پیسے کے شلجم لے آتے ہیں اور دو وقت گذارہ کر لیتے ہیں۔ یہ تو آپ نے تسلّی کے لئے ایک بے تکلف دوست سے کہہ دیا۔ ورنہ بخدا آپ بہت پروقار اور خدا کے شاکر بندے تھے کہ کبھی آپ کی زبان پر شکوۂ ایّام نہ آیا۔

عالم باعمل :۔ موضع اٹھوال ضلع گورداسپور میں جلسہ تھا۔

لطیف مزاح

حضرت میر صاحب نے ایک علمی ادارہ کے سربراہ، باوقار شخصیت سلسلہ کے جیّد عالم، عابد وزاہد ہونے کے باوجود طبیعت بہت شگفتہ پائی تھی۔ مولانا ابو العطاء صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک سناتنی سے مناظرہ تھا۔ اس نے تقریر ہندی اور ملی جلی سنسکرت میں کی۔ ہم حیران تھے کہ اب کیا ہوگا۔ حضرت میر صاحب اپنی باری میں اُٹھے اور عربی میں تقریر شروع کر دی۔ سب ہندو آپ کا منہ تکنے لگے۔ اس طرف کے صدر مناظرہ نے کہا حضرت آپ کی تقریر کو ہم نہیں سمجھ سکے۔ آپ نے فرمایا نحن کذلک کہ ہم بھی تمہاری تقریر نہ سمجھ سکے تھے۔ آخر وہ اس بات پر آ گئے کہ تقریر اردو میں ہوگی۔ چنانچہ نہایت کامیاب مناظرہ ہؤا۔

ایک روز حضرت میر صاحب اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بٹالہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بنیا میلی کچیلی دھوتی لپیٹے بیٹھا تھا۔ اس کی دوکان پر اس کا نام لکھا تھا۔ سیٹھ لال جی داس۔ آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا اس بورڈ میں کیا غلطی ہے۔ انہوں نے غور سے دیکھا تو عرض کی غلطی تو کوئی نہیں؟ آپ نے فرمایا غلطی تو

ہے۔ "چ" کے نیچے تین نکتے ہوتے ہیں۔ یہ پنڈت لالچی داس ہیں دو نکتے کم ڈالے ہیں۔

ایک مسئلہ کا حل

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے صحابی حضرت حافظ معین الدین عرف معنا تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ حضور کی صحبت نے انہیں کُندن بنا دیا تھا۔ حضور کے وصال کے بعد انہیں لنگر خانہ سے کھانا ملتا تھا۔ ایک روز روٹی کے ساتھ انہیں بہت پتلی دال ملی۔ اسی وقت لنگر خانہ کی حالت بہت پتلی تھی۔ اس لئے کھانا بے حد سادہ ملتا تھا۔ حضرت میر صاحب ناظر ضیافت تھے۔ حافظ معنا آئے اور عرض کیا۔ حضرت میر صاحب آپ ناظر ضیافت ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہیں۔ اس لئے ایک مسئلہ کا حل فرما دیجئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایسی پتلی دال کے ساتھ جس کا رنگ اور مزہ پانی کی مانند ہو۔ وضو جائز ہے یا نہیں۔ حضرت میر صاحب نے فرمایا حافظ صاحب جب تک اس دال کو نہ دیکھ لوں فتویٰ کیسے دے سکتا ہوں۔ اس پر حافظ صاحب نے دال کا پیالہ میر صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ حضرت میر صاحب نے وہ پیالہ دال کی دیگ میں اُلٹ دیا۔ اس کی بجائے

گوشت کا پیالہ بھر کر دے دیا۔ اور فرمایا حافظ صاحب یہ آپ کے مسئلہ کا حل ہے۔ جس طرح حضرت ابوہریرہؓ کا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حل فرمایا تھا۔ تو حافظ معین الدین کے مسئلہ کا حل آپ نے فرمایا۔

انسان دوست

ایک بار آپ ایک جلسہ پر تشریف لے گئے۔ غالباً شکاریا اٹھوال کا جلسہ تھا۔ واپسی پر ایک جگہ رُکے۔ سڑک کے کنارے کچھ دوکانیں تھیں۔ مجھے چار یا آٹھ آنے دیئے کہ سامنے دوکان سے پکوڑے لے آؤں۔ میں گیا۔ دیکھا کہ وہ ہندو ہے واپس آگیا اور عرض کی وہ تو ہندو ہے۔ آپ ہنس دیئے اور فرمایا انسان تو ہے نا جاؤ لے آؤ۔

حضرت میر صاحب کی سیرت تو بحر بیکراں ہے۔ کیا کیا بیان کیا جا سکتا ہے۔ نظام سلسلہ اور وقت کی پابندی، اولاد کی تکریم و تربیت ایک زمانہ میں آپ لنگر خانہ کے جدید کوارٹروں میں سے ایک میں رہائش پذیر تھے۔ اور مدرسہ احمدیہ کے ہوسٹل کی کھڑکیاں اس طرف کھلتی تھیں۔ آج بھی کانوں میں وہ آواز گونجتی ہے کہ صبح کی نماز

میں آپ اپنے ایک ایک بچے کو آواز دے کر اٹھاتے۔ آپ کی ایک صاحبزادی بیان کرتی ہیں کہ اٹھا کر بستر تہہ کر دیتے کہ کوئی پھر نہ لیٹ جائے۔

نوجوان یاد رکھیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ صبح کا سونا انسان کو محتاجی کا وارث بناتا ہے۔

اہل و عیال سے حسن سلوک، مذہب سے شیفتگی۔ بیان کے بادشاہ۔ اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے حصہ وافر خدا سے پایا۔ نکتہ رس مجتہد۔ بے لوث قاضی۔ اعلیٰ درجہ کے اہل قلم۔ بے مثال استاذ تھے۔ اللہ نے انہیں گوناگوں صفات سے متصف فرمایا تھا۔

ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے مختلف دروازے ہیں۔ روزہ دار باب الصوم سے داخل ہونے کے لئے پکارا جائے گا۔ نمازی باب الصلوٰۃ سے داخل ہوگا۔ صدقات دینے والا باب الصدقہ سے داخل ہوگا۔ سیدنا حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی۔ آقا! کوئی ان سب دروازوں سے بھی بلایا جائے گا۔ فرمایا ابوبکر تو انہیں میں سے ہے جو سب دروازوں سے پکارا جائے گا۔ میرا ایمان ہے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب بھی ان خوش بخت صحابہ مسیح موعود سے ہیں جنہیں جنت میں آنے کے لئے مختلف دروازوں سے اشارے

ہوں گے۔

آخری بیماری اور آپ کی وفات

آخری چند سالوں میں آپ کی صحت کمزور رہنے لگی۔ لیکن آپ کی خدمت سلسلہ کی لگن اور مشقت میں فرق نہ آیا۔ ایک روز آپ کے ایک رفیق ناظر نے کہا میر صاحب آپ اپنی صحت کا خیال رکھا کریں۔ فرمایا:۔

"بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ چند روزہ زندگی ہے۔ جو بھی خدمت ہو سکے غنیمت ہے۔"

وہ کہتے ہیں میں انجمن کے اجلاس میں آیا تو میر صاحب مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے۔ اجلاس ختم ہوا تو پیدل دارالانوار کو روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب کی دوکان کے قریب پہنچے تو سر میں شدید درد تھا۔ اسپرین کی کئی گولیاں کھائیں۔ اور گھر کو چل دیئے۔ آپ موجودہ جلسہ گاہ قادیان کے موڑ کے پاس نزد مکان مولانا سرور شاہ صاحب پہنچے تو بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ لوگ جلد پہنچے آپ کو دبانا شروع کیا۔ پاؤں کے تلوے سہلائے۔ حضرت مصلح موعود کو علم ہوا تو اپنی موٹر بھیجی تاکہ گھر پہنچا سکیں۔ ذرا افاقہ ہوا تو وہیں بڑے

جوش سے فرمایا:۔

"میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔"

گھر لے جاکر لٹایا گیا۔ اہلیہ محترمہ سامنے آئیں تو ہاتھ اٹھا کر فرمایا بالکل فکر نہ کرو۔ میں اچھا ہوں۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب آگئے۔ قے آئی۔ غنودگی بڑھنے لگی۔ قے کا کچھ حصّہ بڑے بھائی کے کوٹ پر پڑا۔ حضرت میر صاحب نے وہ کوٹ دھلوانے سے انکار کر دیا۔ اور بھائی کی نشانی سنبھال کر رکھ لی۔

رات کے دو بجے دماغ کا پانی کمر میں سوراخ کر کے نکالا گیا۔ تو بہت زور سے دھار باندھ کر دودھ کی مانند سفید نکلا۔ جس کا امتحان کیا تو معلوم ہوا ہر قسم کے پیپ کے جراثیم موجود ہیں وہ پانی ہمیشہ ناک سے نکلا کرتا تھا۔ دماغ کے اندر پردوں میں اس کا منبع تھا وہ SAPTIC ہو گیا ہے۔

سولہ مارچ کو آپ پر یہ جان لیوا حملہ ہوا۔ چوبیس گھنٹے آپ بے ہوش رہے۔ سترہ مارچ کی شام کو چھ بجے نبض بہت کمزور ہو گئی۔ اور خطرہ بڑھ گیا۔ حافظ محمد رمضان صاحب بلند آواز سے قرآن مجید کی دعائیں پڑھنے لگے۔ اور سورۃ یٰسین کی تلاوت کرنے لگے۔ حضرت مصلح موعودؓ دوسرے صحن میں قرآن مجید پڑھ

رہے تھے۔ حافظ صاحب سورۃ یٰسین کی تلاوت کے وقت جب اس آیت پر آئے۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ تو بار بار اسے دُہرایا۔

اب حضرت مصلح موعود اپنے چھوٹے ماموں جان اور رضاعی بھائی کے کمرہ میں آئے۔ اُن کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ بہت دیر تک رقّت بھری آواز میں قرآن مجید کی دُعائیں کرتے رہے۔ یہ نظارہ بہت رقّت آمیز تھا۔ لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ حضور نے فرمایا اگر یہ رونا دُعا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ گناہ ہے۔

اب حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے حافظ قدرت اللہ صاحب کو قرآن پڑھنے کے لئے کہا۔ وہ اس آیت پر پہنچے سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ اسے بار بار دہرایا تو حضرت میر صاحب نے آخری سانس لیا۔ اور آپ کی رُوح اپنے پروردگار کے حضور اور نانا کے قدموں میں حاضر ہو گئی۔

آپ کی وفات سے بارہ روز پہلے سیّدہ حضرت امّ طاہر کی رُوح اس دُنیا سے رخصت ہوئی تھی۔ اور آج حضرت میر صاحب اپنے خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ ایک غریب نادار یہ کہتا سنائی دیا کہ:۔

”ایک ہفتہ پہلے غریبوں کی ماں مر گئی تھی آج باپ مر گیا“۔

ہر دل محزون تھا کہ ایک شفیق باپ، ایک عاشقِ رسولؐ، مسیح پاک کا نسبتی اور رضاعی بھائی رخصت ہُوا۔ لیکن جانے والے کی رُوح خوش تھی کہ آج مادّی پردہ اُٹھ گیا اور خدا کے پرستار کو اس کا پروردگار مل گیا۔

کسی نے ایسی ہی وفات پر کہا تھا:۔

یَا ذَا الَّذِیْ وَلَدَتْکَ اُمُّکَ بَاکِیًا
وَالنَّاسُ حَوْلَکَ یَضْحَکُوْنَ مَسْرُوْرًا
اِحْرِصْ عَلٰی عَمَلٍ تَکُوْنُ بِہٖ مَتٰی
یَبْکُوْنَ حَوْلَکَ ضَاحِکًا مَسْرُوْرًا

اے وہ ہستی کہ تیری ماں نے ولادت کے وقت روتے ہوئے تجھے جنا تھا اور لوگ خوش تھے کہ اُن کے گھر میں ایک چراغ جلا۔ اب تُو ایسے کام کر کہ جب تُو دنیا سے رخصت ہو تو تُو خوش اور مسرور ہو اور لوگ رو رہے ہوں کہ آج وہ اُٹھ گئے۔

غسل کے بعد جنازہ زیارت کے لئے رکھ دیا۔ جب ماموں کا جنازہ اُٹھا تو آپ کے بھانجے خلیفۂ وقت نے جنازہ کو کندھا دیا تو

فرمایا وہ آیت کس طرح ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔ (الرحمٰن: ۳۴)

یقیناً حضرت میر صاحب ایک غیر معمولی انسان تھے وہ عربی محاورہ میں رجلٌ عبقریٌّ تھے۔ وہ ایک پہاڑ تھے۔ بارانِ رحمت و علم تھے۔ جن کے فیض کا رواں چشمہ آج بھی جاری ہے۔

جسم مبارک کو لحد میں بڑے بھائی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب چھوٹے بھانجے حضرت میاں شریف احمد صاحب۔ داماد حضرت مرزا عزیز احمد صاحب اور بیٹے سیّد داؤد احمد نے اتارا۔

آپ کے والد محترم اور والدہ محترمہ کے پہلو میں حضرت مسیح موعود کے قدموں کی جانب بہشتی مقبرہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی وفات کی خبر روزنامہ الفضل نے ۱۹ مارچ کے شمارہ میں اس عنوان سے یوں دی۔

"احمدیّت کا ایک درخشندہ ستارہ غروب ہوگیا۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

قادیان ۱۷ مارچ۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا وہ نہایت

ہی قیمتی اور گراں مایہ وجود نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس خاندان سے نہایت ہی قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنی خاندانی اور ذاتی اعلیٰ صفات کے لحاظ سے ایک خاص وجود تھا۔ جو دینی علوم و معارف کا بحرِ بیکراں تھا۔ جو احمدیہ اخلاق اور تہذیب کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ جو ہر مصیبت زدہ کا مددگار اور ہر محتاج کا دستگیر تھا۔ جو یتیموں کا ملجا اور بیواؤں کا ماویٰ تھا۔ جس کا دستِ سخا نہایت وسیع تھا۔ جس نے ساری عمر متوکّلانہ زندگی بسر کی۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمتِ دین اور خدمتِ خلق اللہ کے لئے وقف تھا۔ جو احمدیّت کا ایک درخشندہ اور ضو افشاں ستارہ تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کی خوبیوں کا شمار ہم سے ممکن نہیں۔ یعنی حضرت میر محمد اسحٰق صاحب انہیں آج بروز جمعہ یکایک خدا تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا"

آپ کی تدفین کے بعد ایک تعزیّتی جلسہ ہُوا جس میں عمائدین سلسلہ نے حضرت میر صاحب کے اوصاف حسنہ کا ذکر کیا۔ مجھے یاد ہے ایک بزرگ ناظر نے فرمایا۔ میر صاحب جب انجمن میں ہوتے تھے ہمیں یقین ہوتا تھا کہ جو فیصلہ ہوگا درست اور صحیح ہوگا۔ کیونکہ قومی

کاموں میں وہ اپنی ذات یا ذاتی مفاد کو کبھی درمیان میں نہ لاتے تھے۔ حق یہ ہے کہ حضرت میر صاحب خدا کے لئے جیئے اور اسی راہ میں آپ نے جان دی۔ ؎

اے خدا بر تربتِ او ابرِ رحمت ہا ببار

اولاد

حضرت میر صاحب نے اپنے پیچھے تین بچے۔ سید داؤد احمد سید مسعود احمد اور سید محمود احمد اور چار بچیاں۔ نصیرہ، سیدہ، آنسہ اور بشریٰ چھوڑے۔ جن میں سے میر داؤد احمد صاحب سلسلہ کی نمایاں خدمت کر کے خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔ باقی دونوں بچے بھی جماعت کے نہایت ذمہ دار مناصب پر کام کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ساری اولاد کو اور ہم کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے آپ کی وفات پر جو مضمون تحریر فرمایا اس کے آخر میں یہ شعر درج ہے۔

ہو چکا اس رُخِ انور کا نظارا ہونا
چشمِ مشتاق مبارک تجھے دریا ہونا

شعراء نے آپ کی وفات پر بڑے دردناک شعر کہے۔ مخدومی و محترمی شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے فارسی میں ایک لمبی اور بڑی دردناک نظم کہی۔ جس کے چند اشعار درج ذیل :- ؎

دیدہ و دل باز جوید حضرت اسحٰق را
پیکرِ مہر و وفا سرمایہ اخلاق را
اے دعا با میر صاحب این پیامم باز گو
شد جماعت مضطرب از دردِ ہجرانِ شما
جلسہ سالانہ باز مے آید قریب
عالمے خواہد کہ باشد باز مہمانِ شما
ہست مینار بلندش ہمچو دربانِ منتظر
مسجد اقصیٰ بخواہد درسِ قرآن شما
تشنہ کامانِ حدیثِ مصطفےٰ در مسجد اند
مستفیضان شما جویند فیضانِ شما

ترجمہ:۔ کہ قلب و نظر حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ جو مہر و وفا کا پیکر اور اخلاق کا سرمایہ تھے۔ اے دعا میر صاحب کو میرا یہ پیغام دیجیو کہ جماعت آپ کی جدائی سے مضطرب ہے۔ جلسہ سالانہ پھر قریب آیا ہے۔

ایک دُنیا پھر آپ کی مہمان ہونا چاہتی ہے۔ بلند مینار دربان کی مانند آپ کے انتظار میں ہے۔ مسجد اقصٰی پھر آپ کے درس کی طالب ہے۔ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے پیاسے، پھر آپ کے فیض سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ بڑے بھائی نے ایسے ہی جذبات کا اظہار حضرت مصلح موعود کے فراق پر کیا تھا۔ آپ نے کہا:۔

دیکھ وہ مینار اے راہرو
راہنمائے آستانِ قادیاں
درسِ قرآں ہو رہا ہو گا وہیں
جمع ہوں گے مخلصانِ قادیاں
اک جواں کو پائے گا ان میں تُو
ہے وہی رُوح ورَوانِ قادیاں

حضرت شیخ صاحب کی یہ نظم خاصی طویل ہے اور کئی بندوں پر مشتمل۔ دوسرے بند میں آپ نے حضرت میر صاحب کے اوصاف و مناقب اس طرح بیان کئے ہیں:۔

چشمِ گردُوں کم بیند بختیارے اینچنیں
نامدارے سرورے عالی تبارے اینچنیں

سیّد السادات فخرِ دُودمانِ عارفاں
میر دَردِ دہلوی را یادگارے اینچنیں
بر سرِ اُو لمعہ افگن آفتابِ نُورِ دیں
ایں چُنیں تلمیذ را آموزگارے اینچنیں
آنکہ اُو را مہدیٔ حق زیرِ دامن پروریدہ
فیض را نازم کہ گردش کامگارے اینچنیں
جُملہ اخلاص و محبت سربسر علم و عمل
احمدی اخلاق را آئینہ دارے اینچنیں
بے تکلّف بے ریا بے نفس بے خود بے غرض
مہربانے دلنوازے دوست دارے اینچنیں

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ آسمان کی آنکھ ایسا خوش بخت، ایسا نامدار، ایسا سردار اور ایسا عالی مقام انسان کم ہی دیکھے گی۔ سیّد السادات اور عارفوں کے خاندان کا فخر اور میر دَرد دہلوی کی یادگار۔ جس کے سر پر نورِ دین کے آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں۔ ایسے شاگردِ رشید کا استاد بھی کس شان کا تھا جس کی مہدی موعود نے اپنے سایۂ عاطفت میں پرورش فرمائی۔ مجھے اس فیضان پر ناز ہے کہ اس نے اسے ایسا کامگار بنا دیا۔ وہ سراسر محبت و اخلاص اور سرتاپا

علم و عمل تھا۔ اور ایسا آئینہ تھا جس میں احمدی اخلاق جلوہ گر ہوئے۔ وہ بے تکلف، بے ریا، بے نفس اور بے غرض تھا۔ ایسا مہربان ایسا دلنواز اور ایسا دوست نواز تھا۔ جس کی نظیر نہیں ملتی۔

پھر فرمایا:۔

ہم مقرّر ہم مبلّغ ہم فقیہہِ بے بدل
خوش بیانے خوش زبانے خوش نگارے اینچنیں
ہم محقّق ہم محدّث منطقی ہم فلسفی
از ہمہ فضل و ہنر سرمایہ دارے اینچنیں

وہ مقرر، مبلّغ اور ایک بے بدل فقیہہ تھا۔ اور ایک بے مثال، خوش بیان، خوش زبان اور وجیہہ عالم تھا۔ وہ محقّق، محدث، منطقی اور فلسفی تھا۔ اس کا دامن ہر علم و ہنر کی دولت سے پُر تھا۔

قرنہا باید کہ تا اندر جہاں پیدا شود
نامبر دارِ فضائل نامدارے اینچنیں

کہ دُنیا میں ایسا صاحبِ فضائل صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے۔

حضرت پیر صاحب کا قطعہ تاریخ وفات محترم شیخ صاحب نے یوں کہا ہے:

اندر زمانہ حضرتِ اسحاق پاکزاد
جاری نمودہ چشمۂ عرفانِ ایزدی

حقا کہ بُود زندگیٔ او برائے خلق
لُطف و عطا و منّت و احسانِ ایزدی
اجرِ عمل مناسبِ حُسنِ عمل ببیں
مہماں نوازِ ما شُدہ مہمانِ ایزدی
ہر مُدّعا و مطلب و مقصود حاصلش
وز جُملہ بیش دولتِ رضوانِ ایزدی
مظہر برائے سالِ وصالش چو فکر کرد
آمد ندائے غیب کہ غفرانِ ایزدی (۱۳۶۳ھ)

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے:۔

اس زمانے میں پاک باز "اسحاق" نے اللہ تعالیٰ کے عرفان کا چشمہ جاری کیا۔ خدا کی قسم اس کی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے احسان اور لطف وکرم کا مظہر تھی۔ اس کے حُسنِ عمل کا اجر دیکھ کہ ہمارا مہمان نواز آج خدا کا مہمان ہے۔ اس کا ہر مقصد، مطلوب اُسے مل گیا۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے اللہ کی رضا کی دولت نصیب ہوگئی۔ مظہر نے جب اُن کی سال وفات کے متعلق غور کیا تو

غیب سے آواز آئی کہ اُسے خدا کی بخشش حاصل ہو گئی۔

محترم شیخ صاحب نے غفرانِ ایزدی سے حضرت میر صاحب کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

ہمارے سلسلہ کے ممتاز بزرگ حضرت مولانا راجیکی صاحب کو ان دونوں بھائیوں سے والہانہ محبت تھی۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کی وفات اور بیماری کے ذکر میں حضرت مولانا راجیکی صاحب کے تاثرات درج کر آیا ہوں۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات پر حضرت مولانا راجیکی صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار ایک عربی نظم میں کیا تھا۔ جو الفضل میں شائع ہوئی اس کا ایک شعر یہ تھا۔

رَاَيْنَا خَيْرَ مِنْ اَخْيَارِ قَوْمٍ

وَلٰكِنْ مَا رَأَيْنَا مِثْلَ اِسْحٰق

ہم نے قوم کے اچھے اچھے لوگوں کو دیکھا لیکن حضرت اسحٰق جیسا کسی کو نہ پایا۔

اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت میر صاحب جماعت میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔

رحمت اللہ صاحب شاکر نے کہا :۔

چل بسا ہے آہ وہ اسلام کا بطلِ جلیل

عالموں میں آج مل سکتا نہیں جس کا مثیل

حجتِ حق تھا وجود اس کا مخالف کے لئے

اور مسیحائے زماں کے صدق پر روشن دلیل

(الفضل ۱۹ر مارچ ۱۹۴۴ء)

خلیفۂ وقت کی تقریر

میں اپنے اس مضمون کو خلیفۂ وقت کے الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ یہ الفاظ ہماری ذمہ داری ہمیں بتا رہے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی وفات پر فرمایا :۔

" میر محمد اسحٰق صاحب خدماتِ سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔ درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر اگر کسی کو تھا۔ تو ان کو رات دن قرآن و حدیث لوگوں کو پڑھانا ان کا مشغلہ تھا۔ وہ زندگی کے آخری دَور میں کئی بار موت کے مُنہ سے بچے۔ جلسہ سالانہ پر وہ ایسا اندھا دھند کام کرتے کہ کئی بار اُن پر نمونیہ کا حملہ ہوا۔ ایسے شخص کی وفات پر طبعاً لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں گے۔ لیکن اگر ہماری جماعت کا ہر شخص ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا تو آج

یہ احساس نہ پیدا ہوتا کہ اَب ہم کیا کریں گے۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم سب یہی کر رہے ہیں۔ عزیز اور دوست کی جدائی کا غم تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ احساس نہیں ہوتا کہ اب اس کام کو کون سنبھالے گا۔

موت کا رنج تو لازمی بات ہے۔ مگر یہ رنج مایوسی پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ کہ اس نے وقت پر چاروں کونوں کو سنبھال لیا تھا۔ احباب کی اِس غلطی کی وجہ سے کہ ہر ایک نے وقت پر اپنے آپ کو سلسلہ کا واحد نمائندہ تصوّر نہ کیا۔ اور اس کے لئے کوشش نہ کی۔ آج میر صاحب کی وفات ایسا بڑا نقصان ہے کہ نظر آ رہا ہے اس نقصان کو پُورا کرنا آسان نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اس طرز کے آدمی تھے۔ ان کے بعد حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے۔ اور تیسرے اس رنگ میں میر صاحب رنگین تھے.......

قحط الرجال ایسی چیز ہے جو لوگوں کے دل میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے .... اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ

اُس نے مجھے بروقت سمجھ دی اور مَیں نے نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کی جس کے ماتحت آج نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں........ آٹھ دس علماء تو ہر وقت ایسے چاہئیں جو مرکز میں رہیں اور مختلف مساجد میں قرآن و حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درس باقاعدہ جاری رہے اور اس طرح نظر آئے کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں زندہ موجود ہیں.......

قرآنِ کریم کا درس ہم میں جاری رہے تو گویا کہ زندہ خدا ہم میں موجود ہوگا۔ اگر حدیث کا درس جاری رہے تو گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہم میں زندہ ہوں گے۔ اگر کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درس جاری رہے تو گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہم میں زندہ ہوں گے.........

.... پس اب بھی سنبھلو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یادگار لوگ اَب بہت تھوڑے رہ گئے ہیں....

...... بڑے خطرات کے دن ہیں۔ اس لئے سنبھلو۔ اپنے

نفسوں سے دُنیا کی محبت سرد کردو۔ اور دین کی خدمت کے لئے آگے آؤ اور ان لوگوں کے علوم کے وارث بنو جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی صحبت پائی۔ تا تم آئندہ نسلوں کو سنبھال سکو۔"

اللہ کرے ہم بھلائی میں اپنے سلف کے جانشین ہوں۔ اپنی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے والے ہوں۔ جماعت کی روایات کو تابندہ رکھنے والے ہوں۔ اور اللہ کے فضلوں کو جذب کرنے والے ہوں۔

ہم اسلام کے لئے جیئیں اور اس کے لئے مریں۔ اور جب ہمارا دم واپسین ہو۔ ہمیں اپنے مولیٰ کی یہ ندا سنائی دے۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ (الفجر)

لاہور آرٹ پریس ۱۵/ انارکلی لاہور فون ۶۲۱۱۵/

الناشر

ملک سلطان رشید خان کوٹ فتح خان ضلع اٹک

خوش نویس:۔ محمد رفیق احمد ربوہ

مطبع:۔